بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۳ | ماہ فروری ۲۰۱۵ء مطابق ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ | شمارہ نمبر ۲

مدیر

خلیل الرحمان سجاد نعمانی

E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	افتتاحیہ	مولانا عمرین محفوظ رحمانی	۳
۲	نگاہ اولیں	مولانا عمرین محفوظ رحمانی	۴
۳	امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ کئی دماغوں کا ایک انساں	حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی	۱۴
۴	عالم اسلام کے المناک حالات تجزیہ اور چند مشورے	مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی	۲۱
۵	مساجد کے طہارت خانے اور ہماری ذمہ داریاں	محمد زین العابدین قاسمی	۳۳
۶	بدلے ہوئے حالات میں مسلمانانِ ہند کے لئے واضح لائحۂ عمل	مولانا عمرین محفوظ رحمانی	۴۵

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ V.P. ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے — منیجر

ضروری اعلان

مختلف مقامات میں ماہنامہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے ذمہ دار حضرات کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جا رہے ہیں ان مقامات نیز قرب و جوار کے حضرات ان سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱۔ بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	+91-9898610513
۲۔ مالیگاؤں (مہاراشٹرا)	مفتی حسنین محفوظ صاحب	+91-9226876589
۳۔ بیلگام (کرناٹک)	مولانا تنویر صاحب	+91-9880482120
۴۔ بیڑ (مہاراشٹرا)	قاسمی بکڈپو طہٰ بکڈپو الطاف بکڈپو	+91-9960070028 +91-9326401086 +91-9325052414-9764441005
۵۔ گورکھپور (اتر پردیش)	مکتبہ ناصر	+91-9451846364
۶۔ جالنا (مہاراشٹرا)	محمد اظہر	+91-9225715159

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ زر تعاون، برائے ہندوستان: (سادہ ڈاک) عمومی-/Rs.200

☆ سالانہ زر تعاون برائے ہندوستان: (بذریعہ وی پی [1]) عمومی-/Rs.230

[1] اس صورت میں پہلے سے زر تعاون بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ رسالہ وصول کرتے وقت ڈاکیہ کو مطلوبہ رقم ادا کرنی ہوتی ہے،
مگر خیال رہے کہ وی پی نہ وصول ہوئی تو ادارہ کو -/Rs.40 کا نقصان ہوتا ہے

☆ سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک (بذریعہ ہوائی جہاز) -/20 پاؤنڈ۔ -/40 ڈالر

لائف ممبر شپ: ہندوستان: سادہ ڈاک -/Rs.8000۔

بیرونی ممالک: -/600 پاؤنڈ۔ -/1200 ڈالر۔

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ : **Mr. RAZIUR RAHMAN**
90-B HANLEY ROAD. LONDON N4 3DW U.K
Fax & Phone:020 72721352. Email:furqanpublications@googlemail.com

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ الفرقان
۳۱/۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ۔
پن-۲۲۶۰۱۸ - یو پی، انڈیا- فون نمبر: Ph:0522-4079758

MonthlyALFURQAN
114/31, NAZIRABAD LUCKNOW
Pin-226018- U.P INDIA

e-mail : monthlyalfurqanlko@gmail.com

دفتر کے اوقات صبح ۱۰ بجے سے ۱ بجکر ۳۰ منٹ بعد ظہر: ۲ بجے سے ۵ بجکر ۳۰ منٹ تک
اتوار کو آفس بند رہتا ہے۔۔۔۔۔۔

خلیل الرحمن سجاد کے لئے پرنٹر و پبلشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

عرض مرتب

محمد عمرین محفوظ رحمانی

☆ الفرقان کی بناء عظیم عالم ربانی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ڈالی تھی، انکا لگایا ہوا یہ پودا موسموں کی سختیاں جھیلتا رہا، پھر خدا تعالیٰ نے اسے تناور درخت کی شکل دی، اور اس کی جڑوں کو مضبوط فرما کر ﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ﴾ ﴿ابراهيم: ٢٤﴾ کا مصداق بنا دیا۔ ۸۲ رسال گزر گئے، الحمد للہ! یہ شجر سایہ دار پر بہار ہے، اور اس کے برگ و ثمر سے امت فیضیاب ہے، حضرت نعمانی علیہ الرحمۃ کی حیات ہی میں ان کے بڑے صاحبزادے ممتاز صاحب فکر و قلم مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نے الفرقان کی ادارت کا کام سنبھالا، اور ایک طویل عرصہ تک الفرقان انہیں کی زیر ادارت شائع ہوتا رہا، اور ملک وملت کو درپیش اہم مسائل پر اُن کی نگارشات اسکے ذریعہ نہایت بیش قیمت اور مفید رہبری کا سامان فراہم کرتی رہیں۔۔ پھر اُن کی مصروفیات، بیرون ملک کے قیام اور صحت وغیرہ مختلف عوارض کی بناء پر اِس شجر طوبیٰ کی باغبانی حضرت نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے چھوٹے بیٹے حضرت مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی مدظلہ کے سپرد ہوئی، انہوں نے اسے امانت سمجھ کر پوری دیانت کے ساتھ جاری رکھا، اور اس کے معیار و منہج کو برقرار رکھنے کی بھرپور کوشش کی، جس میں بحمد اللہ وہ پورے طور پر کامیاب بھی ہیں، خانقاہ نعمانیہ ممداپور کے قیام کے بعد سے مولانا محترم کی خدمات کا دائرہ وسیع تر ہوگیا، ایک طرف ان کے طول طویل ملکی وغیر ملکی اسفار کا سلسلہ ہے، دوسری طرف خانقاہ کی غیر معمولی مشغولیت، اس کے علاوہ معہد الامام شاہ ولی اللہ الدہلوی للدراسات الاسلامیہ کی نظامت واہتمام کا بار گراں، اور دار العلوم امام ربانی اور رحمٰن فاؤنڈیشن کی سرپرستی ونگرانی کی مستقل خدمت، اتنے سارے کاموں کی بیک وقت انجام دہی ایک اکیلے انسان کے بس کا کام نہیں، کاموں کی کثرت اور سخت محنت نے مولانا محترم کی صحت پر بھی ناخوشگوار اثر ڈالا ہے، بلڈ پریشر اور کمر درد کا عارضہ تو پہلے سے تھا، اب شوگر بھی ہوگئی ہے، مشغولیت اور عوارض کے باوجود الفرقان کی بھی پوری ذمہ داری آپ پر ہی ہے، جس کے لئے راتوں کو جاگ جاگ کر لکھنا، اور لکھے ہوئے کی تصحیح کا کام کرنا پڑتا ہے، ان سب باتوں کے پیش نظر اس کی ضرورت محسوس کی گئی کہ الفرقان کے لئے باضابطہ ایک ٹیم تشکیل دی جائے اور مولانا محترم کا بوجھ ہلکا کیا جائے، چنانچہ اس شمارے سے چند افراد پر مشتمل ایک مجلس بنائی گئی ہے جس میں بطور خاص معہد کے دو فیض یافتہ اور مولانا محترم مدظلہ کے تربیت یافتہ تازہ دم فضلاء مولانا عبد العلیم جالنوی اور مولانا محمد ابوبکر پورنوی شامل ہیں، فقیر راقم الحروف بھی مضامین اور ترتیب کی خدمت کے ذریعہ ''گرد کارواں'' کے طور پر شریک رہے گا انشاء اللہ!

☆ قارئین الفرقان کے اطمینان کے لئے عرض کردوں کہ حضرت مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی صاحب بھی الفرقان کے لئے برابر لکھتے رہیں گے اور آپ ان کی بیش قیمت اور متوازن تحریروں سے استفادہ کرتے رہیں گے انشاء اللہ!

☆ الفرقان، اس کے مدیر مولانا محترم مدظلہ، تشکیل شدہ نئی مجلس کے ارکان کے لئے دعا کی درخواست کے ساتھ رخصت چاہتا ہوں۔

مولانا عمرین محفوظ رحمانی

نگاہ اولیں

آگرہ میں جبراً تبدیلی مذہب کا واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد فرقہ پرستوں کی طرف سے ''گھر واپسی'' کے عنوان سے ایک تحریک کھڑی کردی گئی، اخبارات میں بیان داغے گئے، مجلسوں اور جلسوں میں اسی عنوان پر گرما گرم گفتگو ہوئی اور پورے ملک میں ایک ہلچل سی مچ گئی، مسلمانوں پر اس کا جو اثر ہونا تھا ہوا، کچھ ردعمل بھی سامنے آیا، لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس واقعہ کے پیچھے جو ناپاک عزائم پوشیدہ ہیں ان کو عام طور پر سمجھا نہیں جاسکا، مسلمانوں کا عام رجحان یہ ہے کہ بی جے پی اقتدار قائم ہونے کی وجہ سے فرقہ پرستوں اور شرپسندوں کے حوصلے بلند ہوگئے ہیں اور انہوں نے کھلم کھلا مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک شروع کردی ہے، بعضوں کا یہ خیال ہے کہ یہ شدھی سنگھٹن کی طرح کی کوئی تحریک ہے جسے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ برپا کیا گیا ہے لیکن پس پردہ حقائق کچھ اور ہیں، اور ان واقعات کے پیچھے جو ذہنیت کارفرما ہے اس کے مقاصد بالکل جداگانہ ہیں صورت حال ایسی ہے جس کی وضاحت کے لئے اس شعر کا سہارا لینا پڑتا ہے

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ دیتے ہیں دھوکہ یہ بازیگر کھلا

آج کے ''سیاسی بازیگر'' بھی ''گھر واپسی'' کے عنوان سے ملت اسلامیہ ہند یہ کو دھوکہ میں ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں ''یہ دھوکہ کیا ہے'' اس کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل حقائق کو سمجھنا اور ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

ہندوستان میں بسنے والے کروڑوں ہندوؤں میں تقریباً ۷۰ رفیصد اچھوت اور پسماندہ طبقات کے افراد ہیں یہ ہندو دھرم سے نکالے گئے لوگ ہیں انہیں ''برہما'' کے پیروں سے پیدا کیا گیا۔ غلام انسان سمجھا گیا، جس کی پیدائش سَوَرن (اعلیٰ ذات کے) ہندوؤں کی غلامی اور خدمت کے لئے ہوئی، اس کا کام عمر بھر تہذیبی بندشوں میں جکڑے رہ کر اعلیٰ ذات ہندوؤں کی ہر طرح کی خدمت کرنا، اور ان کی ہر اہانت اور تذلیل کو برداشت کرتے رہنا ہے، یہ طبقہ ہزاروں سال سے مظالم اور توہین آمیز سلوک کا شکار ہے اور شدید

رنج و کرب کے ساتھ زندگی کے دن کاٹ رہا ہے، اس پورے طبقے کو ہر آسائش سے محروم اور تعلیم سے دور رکھا گیا اور گرے ہوئے کاموں کی انجام دہی کے لئے مجبور کر دیا گیا، اچھوتوں اور نچلی ذات کے ان غیر مسلموں کی سماجی حیثیت اور ان پر جو کچھ اور جتنی کچھ کٹھنائیاں اور دشواریاں ہیں اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ہوگا۔

آنجہانی ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی زندگی پر لکھی گئی کتاب ''ڈاکٹر امبیڈکر، جیون درشن'' کے مصنف وجئے پجاری لکھتے ہیں۔

''دلت مقاطعہ کے بطن سے پیدا ہوا، غربت اور گردش میں پلا، ذات پات کے انتہائی مقاطعے اور نظر انداز کرنے کے سبب صدیوں سے جھلسا ہوا وہ تہذیبی بندشوں سے جکڑا رہا۔ وہ عذابوں کے دکھ درد سے کراہتا رہا، جسے کبھی انسانی برابری کا درجہ نہیں ملا۔ تعلیم سے محرومی اور جہالت کے اندھیرے میں اسے ہمیشہ کے لئے بھٹکنے کو چھوڑ دیا گیا، اس کی زندگی میں کبھی علم کی روشنی نہیں جگنے دی گئی۔ وہ بے چارا بھوکا، ننگا، جھونپڑی سے محروم اِن سَوَرن ہندوؤں کی غلامی کرتے رہنے کے لئے مجبور رہا۔ اگر اس نے مساوات کے پائیدان پر قدم رکھنے کی جرأت کی تو ورن پر غرور کرنے والوں نے اس کے پیروں میں زنجیر ڈال دی، اگر پیٹ بھرنے کے لئے اس نے کچھ دولت کے حصول کے لئے محنت سے کچھ کمایا بھی تو اس کا سرمایہ چھین لیا گیا، اگر اس نے اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا ہاتھ اٹھا کر مقابلہ کیا تو ظالموں نے اس کے ہاتھ کاٹ لئے، اگر علم کی پیاس بجھانے کے لئے اس نے پڑھنے کی کوشش کی تو اس کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا گیا، اگر برابری کی خواہش میں وہ کسی سَوَرن ہندو کے ساتھ برابر کے بستر پر بیٹھ گیا تو اس کا پیچھے کا حصہ ہی کٹوا لیا، اگر کسی سَوَرن ذات کی عورت سے تعلق پیدا کر لیا تو اس کا عضو مخصوص ہی کاٹ ڈالا گیا، اگر محنت سے کچھ دولت اس نے جمع کر بھی لی تو ہندو نے دھرم کے نام پر اس کی دولت چھین لی، اور اسے پھٹے پرانے اترن پہننے، دھان کے پوال یا زمین پر سونے کے لئے مجبور کیا۔ اسے سڑک پر چلنے کے لئے گلے میں ہانڈی اور پیچھے جھاڑو باندھنے پڑے، لوہے اور مٹی کے برتن میں کھانا پڑا اور سور، گدھے اور کتّے جیسے گھناؤنے جانور پالنے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ وہ بے چارہ ہندوؤں کو زندگی کا عطیہ دیتا رہا، ان کی بے پیسے کی غلامی کرتا رہا، ان کا میلا (فضلہ) سر پر ڈھوتا رہا، لیکن اس کی اپنی بیوی

اور بچوں کی زندگی ہندوؤں کے یہاں گروی رکھی رہی۔ یہ رہی ایک شودر کی زندگی جسے ڈھونے کیلئے ہزاروں سال سے اسے سزاؤں اور عذابوں کے خوف سے مجبور ہونا پڑا۔'' (ڈاکٹر امبیڈکر: جیون درشن ۔۔ وجئے کمار پجاری، ص ۱٦۴)

رادھا اگروال تحریر کرتی ہیں:

''چاروں ورنوں کو مختلف حصوں سے پیدا شدہ بتانے والے اصول کے مطابق شودر کو پیروں سے پیدا ہوا مانا گیا ہے۔ اس لئے سماج میں اس کا مقام سب سے نیچے تھا اور برہما نے اسے برہمنوں، کشتریوں اور ویشیوں کا غلام و خدمت گار بنایا۔ انہی تینوں ورنوں کی خدمت کرنا ان کا اہم فریضہ تھا۔ اور اسے کرنے سے ہی اسے (اپنے فرائض ادا کرنے اور اپنے دھرم کا اتباع کرنے کے سبب) بہت زیادہ راحت مل سکتی تھی دولت جمع کرنا اس کے لئے ممنوع تھا۔ اس کا ایک ممکن سبب یہ جان پڑتا ہے کہ دولت مند ہونے پر وہ اپنے کو نیچ اور حقیر نہ سمجھتا اور خدمت کا کام اسے پسند ہی نہ آتا۔ جہاں ایک طرف شودر کا مناسب گزر بسر کا سامان مہیا کرنا اپنا فریضہ سمجھیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے استعمال شدہ پرانی چیزیں، جیسے چھاتا، پگڑی، جوتا، پنکھا اور پھٹے پرانے کپڑے وغیرہ خدمت گزار شودروں کو دے ڈالیں۔'' (پریم چند کے کتھا ساہتیہ میں دھرم نرپیکشتا کی بھاونا۔ رادھا اگر وال، ص ۱۸۱)

ڈاکٹر ومل کیرتی کا کہنا ہے:

''بھارت میں رسمیں صرف غیر سماجی ہی نہیں بلکہ اکثر سماجی ضابطے کے خلاف بھی ہوتی ہیں۔ یہ بات خاص طور پر اچھوتوں کے بارے میں ہندوؤں پر صحیح اترتی ہیں ۔ سماجی ضابطہ کے خلاف ہندوتوا کا رخ اچھوتوں کے متعلق کیسا ہے اس کے لئے کچھ ہی ثبوت کافی ہیں۔ مثلاً ہندو اچھوتوں کو کنویں سے پانی نہیں بھرنے دیں گے۔ ہندو اچھوتوں کو اسکولوں میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ ہندو اچھوتوں کو بسوں میں سفر نہ کرنے دیں گے۔ ہندو اچھوتوں کو ریلوے کے ایک ہی ڈبّے میں سفر نہ کرنے دیں گے۔ ہندو اچھوتوں کو اپنے گھروں کی چھتیں کھپریل سے نہ بنانے دیں گے۔ ہندو اچھوتوں کو زمیندار دیکھنا برداشت نہ کریں گے۔ ہندو اچھوتوں کو جانور نہیں پالنے دیں گے۔ ہندو یہ نہ برداشت کریں گے کہ اچھوت ان کے سامنے چارپائی پر

بیٹھا رہے۔ ہندوؤں میں کچھ لوگوں کی کچھ ہی لوگوں کے لئے ایسے الگاؤ والے کام نہیں ہیں بلکہ اچھوتوں کے متعلق ہندو ذات کے مستقل سماجی ضابطے کے خلاف جذبہ کے سرچشمے ہیں۔'' (ہندوتوا کا اُنماد۔۔۔ڈاکٹر ول کیرتی، ص ۶۴)

ول تھورات مراٹھا دلت کی حالت یوں بیان کرتے ہیں:

''پیشواؤں کے دورِ اقتدار میں مہاراشٹرا میں اگر کوئی سَوَرن ہندو سڑک پر چل رہا ہو تو اچھوت کو وہاں چلنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی، تاکہ اس کی پرچھائیں اور سایہ سے وہ ہندو کہیں ناپاک اور مذہب سے خارج نہ ہوجائے۔ اچھوت کو اپنی کلائی یا گلے میں نشانی اور پہچان کے طور پر ایک کالا ڈورا باندھنا پڑتا تھا، تاکہ ہندو اسے بھول چوک سے چھو نہ لیں۔ پیشواؤں کی راجدھانی پونے میں اچھوتوں کے لئے سرکاری فرمان تھا کہ وہ کمر میں جھاڑو باندھ کر چلیں۔ چلنے سے زمین پر ان کے پیروں کے جو نشانات بنیں، ان کو اس جھاڑو سے مٹاتے جائیں تاکہ کوئی ہندو ان نشانات قدم پر پاؤں رکھنے سے ناپاک نہ ہوجائے۔ پونے میں اچھوت کو گلے میں مٹی کی ہانڈی لٹکا کر چلنا پڑتا تھا کہ اسے تھوکنا ہو تو اس میں تھوکیں، کیوں کہ زمین پر تھوکنے سے اگر اس کے تھوک پر کسی ہندو کا پاؤں پڑ گیا تو وہ ناپاک ہوجائے گا۔'' (مراٹھی دلت کویتا۔۔۔۔ول تھورات، ص ۱۰۸)

چھوا چھوت کی مریض ذہنیت نے اونچی ذات اور نیچی ذات کا فلسفہ ہی نہیں تراشا بلکہ اچھوتوں اور پسماندہ طبقات کو اس قدر بے حقیقت ظاہر کیا کہ ان کا خون ارزاں اور ان کی عزت سستی ہوگئی، وَرَن (ذات پات) پر یقین رکھنے والوں نے یہ سمجھ لیا کہ نچلی ذات میں پیدا ہونا سب سے بڑا جرم ہے، اور اس جرم کی سزا ہے ''مرگ مفاجات'' چنانچہ اچھوتوں کے ساتھ توہین وتذلیل کا رویہ اپنانے کے ساتھ ساتھ ان کی جانوں کو تلف اور ان کی عزتوں کو برباد کرکے اونچی ذات والوں نے خوب خوب ''اجر وثواب'' کمایا، اور بیچارے اچھوت جان، مال، عزت آبرو لٹا کر بھی مجرم کے مجرم رہے، نہ تھانوں میں ان کی درخواست سنی گئی، نہ ایوانوں میں ان کی فریاد رسی ہوئی، اور نہ ان کے آنسو پوچھنے کے لئے کوئی آگے بڑھا، ''پھولن دیوی نے ہتھیار اٹھا لئے'' یہ تو دنیا جانتی ہے مگر اس حقیقت سے کم ہی لوگ آشنا ہوں گے کہ پھولن دیوی کو ہتھیار تھمانے والا اونچی ذات کا وہی طبقہ تھا جس نے ظلم وستم کو اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے، گھروں میں ذلیل کی جانے والی، اونچی ذات کے امیروں کی ہوس کا نشانہ بننے والی، طبقاتی کشمکش سے جھوجھتی ہوئی، ذات پات کے گھناؤنے نظام

تلے سسکتی ہوئی ایک مظلوم، ستم رسیدہ، دبی سہمی، اچھوت لڑکی ہتھیار اٹھا کر ''پھولن دیوی'' بن گئی تو اسی کے بقول ''ہم نے جھکا کر رکھنے والوں کا سر ہی نہیں جھکایا ان کی ناک بھی کاٹ لی اور پھر ہمارے قدموں پر گر کر انہوں نے اپنی جان کی خیرات مانگی۔'' پھولن دیوی کی حرکتوں کی نہ تو تائید کی جاسکتی ہے اور نہ اس طرح کے مظالم کی حوصلہ افزائی، لیکن اس کی وضاحت ضروری ہے کہ طبقاتی ظلم کیسی خطرناک راہوں کا راہی بننے پر مجبور کر دیتا ہے۔

اچھوت ہزار ہا سال سے ظلم وستم کی خطرناک وادیاں طے کر رہے ہیں اور ان کا یہ پرمشقت سفر اب بھی جاری ہے، ایسے اور اتنے خطرناک مظالم سے انہیں گزارا گیا جنہیں پڑھ کر، سن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے، تصویر کا یہ رخ ذرا آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

یکم دسمبر ۱۹۹۷ء کو صوبہ بہار کے ضلع جہاں آباد میں دلتوں پر مظالم کی دردناک داستان کا ایک حصہ:

> ''یکم دسمبر ۱۹۹۷ء رات تقریباً ۸:۴۵ بجے سے ۱۰:۳۰ بجے تک بہار صوبے کے جہان آباد ضلع کے لکشمن پور باتھے گاؤں میں ہندو نظام کے تحت اونچی ذاتوں (بھومیہاروں) کی نجی دفاعی فوج 'رن ویر سینا' کے ذریعہ ۶۱ دلتوں اور انتہائی پچھڑوں کا قتل اور زنا بالجبر کا خوفناک قہر آزادی کے پچاس سال کے فوائد اور کامیابیوں کی معنویت پر سوالیہ نشان لگاتا ہے۔ اس ہولناک رات کی آہ و بکا اور چیخیں باتھے گاؤں کے چپے چپے پر اپنا ثبوت چھوڑ گئی ہیں، جس کا درد صدیوں تک ٹیس پیدا کرتا رہے گا۔ لکشمن پور باتھے گاؤں کے دل دوز حادثے نے دل کو ہلا کر رکھ دیا، لگا جیسے کہیں کچھ نہیں بدلا ہے! ہندو ذات پات کے نظام اور جاگیردارانہ ریاست اور فکری گھٹن والے ماحول میں ہم آج بھی سانس لے رہے ہیں۔ آزادی کے پچاس سال بعد بھی دلتوں اور انتہائی پچھڑوں کو کیا ملا؟ کیا انگریزی غلامی سے آزادی ملنے کے بعد بھی دلتوں اور انتہائی پچھڑوں کو ذلت، درد، دباؤ، استحصال، غربت، بیکاری و دہشت اور بے سبب قتل وخون کے درد و آنسو سے آزاد کرایا جاسکا ہے؟ یونائیٹڈ دلت اسٹوڈنٹس فورم، جے۔ این۔ یو (نئی دہلی) کے طلبہ و کچھ غیر دلت طالب علموں کی ایک فیکٹ فائنڈنگ ٹیم (۱۔ روندر کمار، ۲۔ جے رامانا تھ نایک، ۳۔ راجیش پاسوان، ۴۔ سریندر کمار ہمانشو، ۵۔ شیوشنکر کمار، ۶۔ گری راج ویروا، ۷۔ لکشمن سنگھ، ۸۔ ویبھو کمار، ۹۔ سروج گری، ۱۰۔ رادھے شیام پاسوان) ۱۱ دسمبر ۱۹۹۷ء کو لکشمن پور باتھے گاؤں گئی اور وہاں ڈرے سہمے اور بلکتے معصوم لوگوں کو قریب سے دیکھا اور سنا۔ یکم دسمبر ۱۹۹۷ء کی رات واقع ہونے والے اس

حادثے کی آج بھی گواہ ہے، مقتولوں کے پس ماندگان اور رشتہ داروں کی چیخ وپکار۔ سورنوں کی سورن ذہنیت کے شکار ۱۹/ بچے جن میں پانچ تین سال سے بھی کم عمر کے تھے، انہیں کچھ پتا بھی نہ تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ جب پورا گاؤں گہری نیند سو رہا تھا یا سونے کی تیاری میں تھا، تبھی یکا یک گولیوں کی آواز گونجی جس سے گاؤں والوں میں بھگدڑ سی مچ گئی اور جسے جہاں جگہ ملی اپنے گھر کے اندر ہی کسی نہ کسی اندھیرے کونے میں موت کو ٹالنے کے لئے چھپنے کی کوشش کرنے لگا لیکن گھروں کے دروازوں کو توڑ کر حملہ آوروں نے بچوں تک کو نہیں بخشا اور اندھا دھند گولی باری کر کے انہیں موت کی نیند سلا دیا۔ مرنے والوں میں سب سے زیادہ انتہائی پچھڑی ذاتوں کے افراد ہیں، جن میں ملاح ۲۵، کہار ۱۳، کوٹری ۱۳ اور ایک حجام شامل ہیں اور درج فہرست ذاتوں کے افراد میں ۵/ چمار، راج وار، اور سات دوسادھ (پاسوان) ہیں۔ اس کے علاوہ تین زخمی ہیں جس میں وملیش کمار جس دن ہماری ''فیکٹ فائنڈنگ ٹیم'' پہنچی تھی اس دن اسپتال سے آیا تھا۔ یہ کسی طرح قاتلوں کی نگاہ سے بچ گئے۔ ونود نے ٹیم کو بتایا کہ قتل عام کرنے میں شریک منیش کمار سنگھ، اشوک سنگھ، انجنی سنگھ، پرمود کمار سنگھ اور بھوکن سنگھ ہیں۔ ہیرالال چودھری، جو اس دن گاؤں سے باہر تھا، گھر لوٹ کر اپنے خاندان والوں کی لاش دیکھ کر پاگل ہو گیا۔ اس نے ہماری ٹیم کو بتایا کہ 'ہم لوگ غریب مزدور ہیں اسی لئے اونچی ذات کے لوگ ہماری زندگی کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ (بھارت اشوگھوش، ماہنامہ، ناگپور، جنوری۔فروری ۱۹۹۸ء، ص ۱۱ و ۱۵)

یہ ایک واقعہ تو ذرا تفصیل کے ساتھ درج کیا گیا اب صرف مظالم کی جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

☆ مین پوری ضلع کے تھانہ جسرانہ گاؤں دیولی میں ۱۸/ نومبر ۱۹۸۱ء کو دلتوں پر جارحانہ حملہ ہوا جس میں ۲۴/ افراد مارے گئے، مرنے والوں میں تین ماہ کا ایک بچہ بھی تھا اور کچھ عورتیں بھی۔

☆ ۱۶/ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو بیجاپور کے ایک گاؤں میں ہریجنوں کو بری طرح مارا پیٹا گیا، اونچی ذات کے لوگوں نے ہریجن کالونی پر حملہ کر کے دس سے زائد افراد کو ایذا پہونچائی، جب وہ بھاگے تو ان کا پیچھا کیا گیا اور ہنومنتا نامی ایک شخص کو بے ہوش کر دیا گیا، اس کے رشتہ داروں نے ہوش آنے پر پانی پلانا چاہا تو ظالموں نے اس زخمی کو مجبور کر کے پیشاب پلایا۔

☆ ۱۱/ اکتوبر ۱۹۹۵ء کی رات میرٹھ ضلع کے ایچولی تھانہ کے سیکھرہ گاؤں میں دلتوں پر ایک سو راجپوتوں نے

ہلہ بول دیا، درجنوں دلت گھروں کو آگ لگادی گئی۔ ڈاکٹر امبیڈکر کے ایک مجسمے کو توڑنے کی کوشش کی گئی۔

☆ ۱۰/اکتوبر ۱۹۹۵ء کو یوپی کے ضلع ہردوئی کے مری اورہ گاؤں میں ایک دلت عورت اور اس کے دو بچوں کو زندہ جلادیا گیا اور دوسری دلت عورت کو گولی مار کر ہلاک کردیا گیا۔

☆ ۱۹۹۴ء میں بہار کے ایک گاؤں بیند گڑھا کے مہاویر رام نامی ایک دلت نوجوان نے ایک کرمی لڑکی مالتی سے شادی کی، کرمیوں کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے پنچایت بلوائی اور دن دھاڑے سینکڑوں افراد کی موجودگی میں مہاویر کو سنگسار کرکے مار ڈالا، اسی سال راجستھان کے جیستر گاؤں میں مزدوری کرنے والی دلت عورت پرکاش کور کے ۱۲/سالہ لڑکے کے گاؤں کے ایک مندر میں رکھی آرتی کی تھالی سے کچھ پیسے اٹھانے پر اونچی ذات کے لوگ غضبناک ہوگئے، لڑکے کو تو پولیس کے حوالے کردیا گیا، جب ماں بیٹے کی تلاش میں مندر آئی تو ظالموں نے اس پر بھی حملہ کردیا، اسے گدھے پر بٹھا کر گھمایا گیا اور جسم کے پوشیدہ مقامات پر ایسی اور اتنی ضربیں لگائی گئیں کہ اس نے دم توڑ دیا، مرتے وقت جب اس نے پانی مانگا تو اس کے منہ میں مٹی کا تیل ڈال دیا گیا۔

☆ اپریل ۱۹۹۷ء میں ضلع باندہ کے سن گاؤں سرے سین کے گرام پردھان نے ایک دلت عورت کو اپنے کنویں پر مزدوروں سے پٹوایا اور اس کے اندام نہانی میں لاٹھی ڈلوادی، عورت نے شرم کے مارے کنویں میں چھلانگ لگادی۔

☆ مئی ۱۹۹۷ء میں اتر پردیش کے غازی آباد میں پانچ بچوں کی ماں (دلت عورت) کو ساڑھے گیارہ بجے رات کو تین سورن غنڈوں نے پستول کے زور پر اغوا کرکے اس کے ساتھ اجتماعی زنا بالجبر کیا۔

یہ واقعات نمونے کے طور پر ذکر کئے گئے ہیں ورنہ ظلم وستم کی ایسی لانبی داستان ہے جس کی تفصیلات کے لئے پورا دفتر بھی ناکافی ہے،[1] ان مظالم کا یہ اثر ہوا کہ اچھوت بڑی تعداد میں اسلام کی طرف مائل ہوئے، انہیں اس پاکیزہ دین میں اپنے درد کی دوا، اور اپنے زخموں کا مرہم دکھائی دیا، ذات پات کے نظام تلے سسکنے والوں نے اسلام کے چشمہ صافی سے سیرابی حاصل کی، وہ تنگی اور ظلم کی وادیوں سے نکل کر کشادگی اور عدل کی شاہراہ پر گامزن ہوئے، اور اسلام کی حیات بخش تعلیمات کے سایے تلے امن وسکون

---

[1] جو اردو داں حضرات تفصیل دیکھنا چاہیں وہ جناب انتظار نعیم صاحب کی کتاب ''دلت مسئلہ، جڑ میں کون'' ملاحظہ فرمائیں، مذکورہ بالا واقعات بھی اسی کتاب سے نقل کئے گئے ہیں۔

کی سانس لی، اس کا اعتراف واقرار خود غیر مسلم حضرات نے کیا ہے، جناب وجے کمار پجاری لکھتے ہیں:

''ہندوؤں کا شودر طبقہ، خصوصاً انتہائی شودر اچھوت طبقہ، ہندوؤں کی نفرت کے سبب پہلے ہی پریشان تھا اور جب ان کو مسلم مذہب میں برابری کا حق دیا گیا تو تبدیلی مذہب کی لہر چل پڑی۔ اس کے نتیجے کے طور پر انگریزی دورِ حکومت میں ۹ رکروڑ دلت مسلمان ہوگئے۔ (ڈاکٹر امبیڈکر، جیون۔ درشن۔ وجے کمار پجاری، ص ۱۷)

ہمانشورائے اور راج کشور صاحبان کی شہادت ملاحظہ ہو:

''حالانکہ جنوبی ہند میں ساتویں صدی عیسوی میں ہی اسلام داخل ہوگیا تھا، لیکن باضابطہ داخلہ بارہویں صدی میں مغل حملوں کے بعد ہوا۔ اسلام میں برابری اور بھائی چارے کا جو پیغام تھا، اس کے تئیں بڑی تعداد میں لوگ متوجہ ہوئے۔ ہندوؤں کی ورن ویوستھا سے پریشان وستم زدہ چھوٹی ذات کے لوگوں نے اسلام میں پناہ لی۔'' (ہریجن سے دلت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔راج کشور، ص ۶۱)

''جون ۱۹۲۹ء بابا صاحب امبیڈکر نے جس دھرم کے بارے میں جلگاؤں کے اجلاس میں دعوت دی تھی، اس کا اثر وہاں کے لوگوں پر تو کچھ خاص نہیں پڑا، لیکن آس پاس کے دوسرے علاقوں میں جون کے پہلے ہفتہ میں ہی ۲۱ رمہاروں نے اسلام دھرم قبول کرلیا۔ (یُگ پرش بابا صاحب۔۔۔۔ ہمانشورائے، ص ۳۴)

جناب ایچ لال نے دلتوں پر مظالم کا تفصیلی تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

''ایسے ہی ظلم اور زیادتیوں سے اُوب کر تقریباً پندرہ برس پہلے میناکشی پورم کے ایک گاؤں میں سارے دلتوں نے اسلام دھرم قبول کرلیا تھا۔ (بھارت کے انادی واسیوں کا اتہاس۔ ایچ۔ لال، ص ۴۶۳)

یہ تو ماضی کی داستان ہے ادھر حال کے چند برسوں میں اس مظلوم طبقے کا اسلام کی طرف رجحان ومیلان بڑھا ہے، انہیں صاف نظر آرہا ہے کہ ہماری سچائی کا سامان اس دین میں ہے جو عدل وانصاف اور مساوات کا دین ہے، جہاں چھوا چھوت اور ذاتی ونسلی برتری کا کوئی تصور موجود نہیں، جہاں کالے کو گورے پر، گورے کو کالے پر، عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، مالدار کو نادار پر، نادار کو مالدار پر کوئی بڑائی حاصل نہیں، یہ صورتحال اونچی ذات کے متعصب اور فرقہ پرست غیر مسلموں کے لئے سخت تشویشناک ہے اور اسی کے توڑ کے لئے ''تبدیلی مذہب'' اور ''گھر واپسی'' کا ہنگامہ مچایا گیا ہے، مقصد چند مسلمانوں کو ہندو بنانا نہیں ہے بلکہ ان کروڑوں دلتوں، ہریجنوں، اچھوتوں اور پسماندہ طبقات کو اسلام میں داخل ہونے سے روکنا ہے جو اندر ہی اندر کسی بہت بڑی تبدیلی کے

خواہاں ہیں اور مظالم کی چکی میں پسنے کے بعد امن وسکون اور راحت وعافیت کے متلاشی ہیں، اسی مقصد کے لئے ایک ''ڈرامہ'' رچا گیا، کچھ غریب مسلمانوں کو لالچ اور دھوکہ [1] دے کر ان سے کچھ ایسے کام کرائے گئے جنہیں دیکھ کر یہ محسوس ہو کہ انہوں نے مذہب تبدیل کرلیا ہے اور بڑے پیمانے پر اس کی تصاویر میڈیا کے ذریعہ عام کی گئیں، اس پورے ڈرامے کا ذمہ دار آر ایس ایس کے رکن راجیشور سنگھ کو بنایا گیا، جنہوں نے اپنے زہر آلود بیانات کے ذریعہ فضا کو اچھی طرح گرم کر دیا، اور ''۲۰۲۱ء تک تمام مسلمانوں اور عیسائیوں کو ہندو بنانے کا عزم ظاہر کیا۔'' پھر ایک خفیہ خط انہوں نے ہندو سرمایہ داروں کے نام لکھا جس میں اپنا یہ منصوبہ ظاہر کیا کہ ایک کرسچن خاندان کو ہندو بنانے پر دو لاکھ اور مسلمان خاندان کو ''گھر واپس'' لانے کے لئے ''پانچ لاکھ'' درکار ہوں گے، لہذا خوب دل کھول کر شبھ کامناؤں کے ساتھ اس ''پوتر کاج'' کے لئے ہندو بھائی ''دان'' دیں، یہ خط بھی فضا کو گرم تر بنانے اور مسلمانوں کو مشتعل کرنے کے لئے لکھا گیا تھا اس لئے ''خفیہ ترین خط'' ہندو سرمایہ داروں کو بھیجنے کے بجائے ''میڈیا'' کے سپرد کر دیا گیا، اس طرح کی چھوٹی بڑی کئی اور حرکتیں کی گئیں **تاکہ پارلیمنٹ میں یہ مسئلہ پورے زور وشور کے ساتھ اٹھایا جائے اور جب ہنگامہ بڑھ جائے تو پھر یہ تجویز رکھی جائے کہ ''تبدیلی مذہب'' خطرناک چیز ہے اس لئے ہندوستان میں ''تبدیلی مذہب'' پر پابندی لگا دینی چاہئے اور ایک ایسا قانون لانا چاہئے جس کی رو سے تبدیلی مذہب کو جرم قرار دیا جائے۔ یہ ہے اس سارے ڈرامے اور تماشے کا خلاصہ اور حاصل! پھر اس بات کو دہرانا پڑتا ہے کہ ''گھر واپسی'' ڈرامے کا مقصد ان کروڑوں افراد کا راستہ روکنا ہے جو ہزار ہا سال سے ظلم وستم سہہ سہہ کر اب بغاوت اور تبدیلی کی راہ پر آ چکے ہیں۔**

الفرقان کے قارئین کے علم میں یہ بات ہوگی کہ ہندوستانی آئین (جسے مجلس آئین ساز نے ڈاکٹر راجندر پرشاد کی صدارت اور ڈاکٹر امبیڈکر کی سربراہی میں ۹/دسمبر ۱۹۴۶ء سے مرتب کرنا شروع کیا تھا اور تقریباً تین سال کی محنت شاقہ کے بعد ۲۶/نومبر ۱۹۴۹ء میں منظور کر کے ۲۶/جنوری ۱۹۵۰ء میں اسے نافذ کر دیا) میں ہر شہری کو پانچ بنیادی حقوق حاصل ہیں ان میں سے چوتھا حق یہ ہے:

''ضمیر کی آزادی کا حق، کوئی بھی پیشہ اختیار کرنے کا حق، کسی بھی مذہب کی پیروی اور اس کی تبلیغ کی

---

[1] لالچ اور دھوکہ کا معاملہ اس وقت پوری طرح سامنے آ گیا جب مذہب تبدیل کرنے والوں کی طرف سے یہ بیان سامنے آیا کہ آر ایس ایس اور بجرنگ دل کے کارکنوں نے انہیں دھوکہ اور لالچ دے کر مذہب تبدیل کرایا، پہلے تو انہیں رپئے پیسوں اور راشن کارڈ، آدھار کارڈ بنانے کا سنہرا خواب دکھایا گیا، پھر دھوکہ سے تبدیلی مذہب پروگرام میں انہیں یہ کہہ کر شریک کیا گیا کہ ''ایک پروگرام ہو رہا ہے جس میں راشن کارڈ اور آدھار کارڈ کے لئے تصویر کھینچی جائے گی۔ (بحوالہ روزنامہ انقلاب، ۱۰/دسمبر ۲۰۱۴ء)

آزادی کا حق (جامع اردو انسائیکلو پیڈیا، جلد ۳، ص ۶۲۹)

اب اگر تبدیلی مذہب پر پابندی کی بات سامنے آتی ہے تو آئین کے دیئے ہوئے بنیادی حقوق میں ترمیم کرنی پڑے گی اور یہ پورے ملک کے لئے سخت خطرناک بات ہوگی۔

اسی ضمن میں یہ بات بھی عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ملک کا ایجنڈا بڑی خوبصورتی کے ساتھ بدلا گیا ہے، یہاں معاملہ ہندو مسلم تصادم کا نہیں تھا بلکہ اونچی ذات اور نیچی ذات کے ٹکراؤ اور طبقاتی کشمکش کا تھا، لانبی مدت سے ظلم کا شکار اچھوت، اور پسماندہ طبقات کے افراد میں جب بغاوت کے جراثیم پھیلنے لگے اور ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی شبانہ روز محنت کے نتیجے میں اس پورے طبقے میں بیداری کی لہر دوڑ بڑی اور انہوں نے ظالموں کے خلاف اور اپنے حقوق کی بازیابی کے لئے جدوجہد کا راستہ اپنایا تو اپنے آپ کو بچانے اور ان ''غیر ہندوؤں'' کو ''ہندو'' بنائے رکھنے کے لئے مسلمانوں سے دشمنی اور بغاوت کا ماحول تیار کیا گیا، اور اچھوتوں اور مسلمانوں کو آپس میں ''ہندو مسلم'' کے نام پر لڑا دیا گیا، فسادات کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالنے والا بھی صاف طور پر محسوس کرتا ہے کہ ''ہندو مسلم فسادات'' میں ہندوؤں کی طرف سے جو طبقہ پیش پیش رہتا ہے اور مسلمانوں پر مظالم ڈھاتا ہے وہ یہی ''مظلوم طبقہ'' ہے جو فساد کے وقت ''ظالم'' بن جاتا ہے، گجرات فسادات میں بھی انہی کا رول سب سے نمایاں تھا، فسادات کا فلسفہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ لڑانے والے اونچے طبقے کے لوگ ہوتے ہیں اور زمینی سطح پر لڑنے والے عام طور پر مسلمان اور نچلی ذات اور پسماندہ طبقات کے افراد۔ یہ دونوں فریق لڑتے ہیں ان میں سے جو بھی مرتا ہے فائدہ اونچی ذات والوں کو ہوتا ہے، مسلمان مرے تب بھی واہ واہ۔ دلت، ادیباسی اور ہریجن مرے تو بھی واہ واہ۔ یہ ایک شاطرانہ کھیل ہے جو اس ملک میں کھیلا جا رہا ہے۔ اور افسوسناک بات یہ ہے کہ اسے اب تک پورے طور پر سمجھا نہیں گیا، وقت آ گیا ہے کہ ہم اس واضح حقیقت کو سمجھیں اور اس کے مطابق اپنی حکمت عملی تیار کریں۔ اور صحیح سمت میں پیش رفت کریں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ ''گھر واپسی'' معاملے میں جذباتیت سے بالاتر ہو کر ہمت و حکمت کے ساتھ مناسب اور بروقت اقدام کیا جائے اور فرقہ پرست طاقتوں کے منصوبے کو پورا نہ ہونے دیا جائے۔

☆☆☆

حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد

کئی دماغوں کا ایک انساں

[امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ عظیم، منفرد اور لاثانی انسان تھے، خطابت و سیاست، قیادت و فراست میں امامت کے منصب پر فائز تھے، وہ باہمہ شخص تھے، اور بے ہمہ بھی، ساتھ ہی ساتھ بے نیاز اور ''بے پناہ'' بھی! نام محی الدین احمد تھا، مشہور ''**ابوالکلام**'' سے ہوئے، ان کے سے لاثانی خطیب اور البیلے مقرر کے لئے یہی نام جچتا بھی ہے، بولنے پہ آتے تو علم کا دریا بہاتے، قلوب کو مسخر کرتے اور جذبات کے سمندر میں طلاطم برپا کر دیتے تھے، وہ بولتے نہیں موتی رولتے تھے ان کے یہاں بھپتی، گالی، فقرہ، طنز، ہجو، مخالفت، حسد و رقابت اور ہر قسم کی یلغار و پیکار کا جواب بس ایک تھا ان کی سحر انگیز خطابت، زیر نظر مضمون میں ان کی اس امتیازی صفت کے ساتھ ساتھ ان کی دوسری خوبیوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مضمون نگار عالم ربانی حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی مدظلہ رواں دواں قلم اور منفرد طرز نگارش کے مالک ہیں، نپے تلے الفاظ میں خوبصورت تعبیرات کے ساتھ اپنے خیالات کا بے باک اظہار ان کی تحریروں کی خاص خوبی ہے، ادارہ الفرقان سپاس گذار ہے کہ حضرت محترم نے اپنا یہ بیش قیمت مضمون الفرقان کے لئے عنایت فرمایا، جزاہ اللہ خیر الجزاء، مضمون کا وہ حصہ بطور خاص زیادہ لائق توجہ ہے جس میں حضرت مولانا محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء کی سیاسی بصیرت و فراست اور منفرد طرز عمل کا تذکرہ کیا گیا ہے، آج کے بدلے ہوئے حالات میں ان کے تجربے سے بھرپور فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے ——— محمد عمرین محفوظ رحمانی]

۲۲ر فروری ۱۹۵۸ء کو مولانا آزاد رخصت ہوگئے۔ اک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے!

وقت گذرتے کیا دیر لگتی ہے، دیکھتے دیکھتے پچپن سال بیت گئے، ایک پوری نسل ماں کے آغوش سے نکلی، بچپن بتایا، جوانی گذاری، اور اب بڑھاپے کی دہلیز پر کھڑی ہے، وقت کتنا تیز گذرا، مگر گذرنا اور

گذر جانا تو وقت کا مقدر ہے، اور ایک وقت ہی کیا، ہر چیز گذر جاتی ہے—اس پورے عرصہ میں زندگی برتنے کا انداز بدلا، گھر کی تہذیب میں بڑا فرق آ گیا، باہر کا ماحول زیروزبر ہوگیا، پسند اور ناپسندیدگی کے معیار میں ہی فرق نہیں آیا، پیمانے بھی بدل گئے، اور تبدیلی کا یہ عمل مسلسل جاری ہے— لگتا ہے کہ شکست وریخت کے عمل نے رفتار پکڑ لی ہے، اور ''ثبات ایک تغیر کو ہے زمانہ میں''—!

آدھی صدی گذرنے کے بعد گھر آنگن میں ایسی تبدیلی آئی کہ بچے اب والدین سے نہیں سیکھتے، ٹی وی دیکھتے اور اسی سے خود کو ''سنوارتے'' ہیں، اور بچہ ابھی کھڑا نہیں ہوتا کہ چھکا لگانے کا ڈیزائن دینے لگتا ہے، گھر کے اس ماحول نے دنیا کے رنگ وآہنگ کو بھی بدل دیا، سماج کی تیلیاں تو بکھریں ہی، گھرانہ کی گرفت بھی ختم ہوگئی، اور بچپن ہی سے ''ہر شخص تنہا جینے کی مشق'' کرتا ہوا لگتا ہے۔ بے لگامی اور بے لحاظی کے اس دور میں وہ تذکرہ بھی چونکا دینے والا ہوتا ہے، کہ پچاس برس پہلے گاؤں سے لے کر شہر تک کی کیا تہذیب تھی! اور تربیت کے لیے کیا کچھ ہوتا تھا! ۔ گاؤں محلہ کے بڑے بوڑھے اپنے گھروں ہی میں نہیں، سڑکوں، گلیوں، کوچوں اور پگڈنڈیوں پر بھی ڈھیر سے ''اختیارات'' اور ''جذبۂ تربیت'' کے ساتھ قدم بڑھاتے تھے !

میں نے جس گھرانے میں آنکھیں کھولیں، جس آنگن میں چلنا بولنا سیکھا، جن تعلیم گاہوں میں میری تعلیم اور تربیت ہوئی، وہاں یہ بتایا جاتا تھا کہ انسان کیا ہے، اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ کردار کی بلندی کیسی نعمت ہے؟ انسانیت کے تقاضے کیا ہیں؟ ہاں! یہ بتایا جاتا کہ بی اماں کون تھیں، محمد علی، شوکت علی کن جیالوں کا نام تھا، گاندھی جی کی کیا اہمیت ہے؟ بہادر شاہ ظفر کے ساتھ کیا ہوا، ہندوستان پر انگریزوں کے دخل قبضہ روکنے کے لیے ٹیپو سلطان نے کس بہادری سے جان دی، گھریلو تذکروں کی وجہ سے اپنے بزرگوں کی ہمت وجرأت، وطن سے محبت اور سائنس وٹکنالوجی میں ان کی مہارت کا نقش دل میں ایسا جما کہ بڑھاپے میں بھی ان یادوں کے ذرے حوصلوں کو تازہ کرتے ہیں!

بچپن کی یہ تربیت، بڑوں کے تذکرے اور بھلی باتوں کا ذکر مسلسل، سوچنے، سمجھنے، برتنے اور زندگی جینے کے انداز کو بدل ڈالتا ہے، اس انداز تربیت سے کردار میں پختگی آتی ہے، اور ماضی کی قدروں اور روایتوں کا رشتہ حال سے پیوست ہوتا اور مستقبل سے جڑتا ہے— ان تذکروں کا ایک اثر وہ کیفیت تھی، جو میں نے امام الہند مولانا آزاد کے انتقال کی خبر کے بعد اپنے گھر کے اندر اور باہر دیکھی، صبح صبح رضی بھائی آئے، آنسوؤں سے روتے بلکتے اور کہا: ''مولانا آزاد گذر گئے'' ایسا محسوس ہوا کہ ہاتھوں سے کوئی نعمت چھن گئی— میں نے مولانا آزاد کو دیکھا نہیں تھا، چرچے گھر میں سنے تھے، تھوڑا سا پڑھا تھا، تو ان سے رشتہ سا محسوس ہوتا تھا، عقیدت ہوگئی تھی، اب جو انتقال کی خبر ملی، تو جھٹکا سا لگا!

ہمارے رضی بھائی نے چچا جان کے کمرہ کے باہر ایک مرحوم قسم کا ریڈیو لگا دیا، جو مولانا کے سرکاری گھر کا آنکھوں دیکھا حال نشر کر رہا تھا، کئی آوازیں ''اس آنکھوں دیکھی'' کو پھیلانے میں جُٹی تھیں، یاد آتا ہے ان میں سب سے پاٹ دار آواز شیوساگر مصر کی تھی، جو رہ رہ کر رندھ جاتی، ڈوب جاتی، اور کوئی دوسرا کمان سنبھال لیتا، یہ رنگ تھا مولانا سے عقیدت اور محبت کا — خانقاہ رحمانی کے تمام لوگ سارے کام بھول گئے، انہیں ناشتہ بھی یاد نہ رہا، ریڈیو کے گرد جمع سب لوگ سن رہے تھے، آنسو، آہیں، سسک، کڑھن چبھن، ایسی آہ جو دبائے نہ دبے، دیر تک یہ سلسلہ چلتا رہا، اور دفن کے بعد بھی دیر تک ریڈیو سے آواز بلند ہوتی رہی، دور دور کے لوگ سنتے رہے۔

یہ تھا بچپن کے عکس کا نقش، ریڈیائی خبر رسانی کے اثرات اور کیفیات، جو میرے دل، میرے حواس پر چھا گئے، کسی موت پر میں نے ایسی کیفیت نہیں دیکھی، اتنے غمزدہ، ایسے اداس چہرے، اتنے روتے بلکتے لوگ۔ ایسی سسکیاں اور ہچکیاں میں نے ۲۲ر فروری سے پہلے نہ دیکھا نہ سونچا اور اس کے بعد بھی زندگی میں یہ کیفیت دو ایک بار ہی دیکھنے کو ملی — اُس وقت دل میں یہی آیا کہ جب ایسے ایسے لوگ بھنچی آنہوں اور چھلکتے آنسوؤں کے ساتھ رو رہے ہیں، تو یقیناً مولانا بہت بڑی ہستی رہے ہوں گے۔

بعد میں یہ بھی خبر لگی کہ مولانا کا جنازہ جب قبر میں اتارا جا رہا تھا، تو ایک شخص جسم و جان کی پرواہ کیے بغیر دھکا دیتے اور دھکا کھاتے قبر تک پہونچا — یہ تھے جناب شورش کاشمیری، چٹان کے ایڈیٹر، آزادی سے پہلے اور پاکستان بننے کے بعد بھی جیل کی سلاخوں سے مانوس، اور بیس سال جیل میں زندگی گذارنے والے، پاکستان میں مولانا کے اعلانیہ عقیدتمند اور ان کے لیے لڑنے مرنے کے لیے تیار، قلم سے تکا بوٹی کرنے پر آمادہ ہے — سنا کہ قبر میں مولانا کا چہرہ دکھایا گیا، جناب شورش نے دیکھا اور دیکھتے رہے — پھر جناب شورش جیسے عجیب وغریب شاعر، جس کی زبان سے شاعر کا کوئی شعر کسی نے نہیں سنا تھا، کی زبان سے یہ مصرعے لوگوں نے سنے:

کئی دماغوں کا ایک انساں میں سونچتا ہوں کہاں گیا ہے
قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے زباں سے زور بیاں گیا ہے

اتر گئے منزلوں پہ چہرے، امیر کیا کارواں گیا ہے
مگر تیری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے!

دیکھتے دیکھتے جناب شورش کے احساسات اور برسوں کے تجربات شعری ڈھانچہ میں ڈھلتے چلے گئے۔ چوبیس اشعار اور چھ بندوں پر مشتمل یہ شہکار نظم قبر پر کھڑے کھڑے کہہ دی، جسے نئے انداز نئے آہنگ کا مرثیہ کہا جا سکتا ہے، اور جو شورش کاشمیری صاحب کی طرف سے امام الہند مولانا آزادؒ کی خدمت میں بہترین

خراج عقیدت ہے، ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کا آئینہ دار، اور برجستہ گوئی کا شہکار ہے، ۱۰/مارچ ۱۹۵۸ء کے ہفت روزہ چٹان لاہور کے ادارتی صفحہ پر اسے جگہ دی گئی۔ پھر اخبارات اور رسالوں نے اسے اہتمام کے ساتھ شائع کیا، بعض کتابوں میں یہ خراج عقیدت محفوظ ہے۔

یہ مرحلے گذر گئے، اسکی سوگوار یاد میرے دل پر نقش ہے — اسکا ایک اثر یہ ہوا کہ مولانا آزاد کو میں نے پڑھنا شروع کر دیا، ان کی جتنی تحریریں ملیں، پڑھ گیا، چاہے وہ الہلال، البلاغ کی فائلیں ہوں، مولانا شروانی کے نام خطوط ہوں، غبار خاطر یا کچھ اور۔ مولانا کی عربی اور فارسی زدہ اردو پورے طور پر تو کیا سمجھ میں آتی، مگر وہ تھی بڑی رواں دواں، میں اس روانی میں بہتا رہا اور مولانا کے ساحل سے قریب ہوتا رہا — مولانا پر جو کچھ لکھا گیا، کوشش کی، وہ ساری چیزیں تلاش کیں، کچھ تو بس مل گئیں، اور بعض کو خریدا اور پڑھتا رہا، اس زمانہ میں مولانا کی عظمت، ہمہ گیر صلاحیت اور انفرادیت کا جو نقش جمیل دل میں گھر کر گیا، اسکے روشن نقوش دل میں آج بھی ہیں۔

مولانا آزاد ایک بڑے پیر اور بڑے عالم کے صاحبزادہ تھے، دنیا کے کئی ممالک میں ان کے والد مولانا خیر الدین کے مرید پھیلے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی مقبولیت دی تھی، کلکتہ تو انکا مسکن ہی تھا، وہ عیدین کے امام اور ناخدا مسجد کے خطیب تھے، اور ان ساری حیثیتوں اور صلاحیتوں کی وجہ سے انہیں جو مرکزیت حاصل تھی، عقیدتمند اسکا پرتو صاحبزادہ میں بھی دیکھ لیتے تھے، مولانا آزاد اپنے مزاج و انداز کے لحاظ سے والد ماجد سے خاصے مختلف تھے، وہ نہ پیر کہلانے کیلئے تیار تھے، نہ لوگوں کی صف بستگی انہیں جچتی تھی، اور ہاتھ چمومنے سے تو انہیں خاصی کراہت تھی، مگر عقیدت اور محبت کے انداز ہی نرالے ہوتے ہیں — یہ انداز سکھائے نہیں جاتے، آجاتے ہیں — محبت تم کو انداز محبت خود سکھا دے گی والا معاملہ ہوتا ہے۔

مولانا آزاد کلکتہ میں ٹرام سے کہیں جا رہے تھے، عقیدتمندوں کی نگاہ پڑ گئی، اور عقیدت کا اظہار ہونے لگا، سلام و مصافحہ، دست بوسی اور شاید نذرانہ بھی! — مولانا ٹرام سے اتر پڑے، اور کلکتہ کی اس ''عوام پسند'' سواری کو ہمیشہ کیلئے خیر باد کہہ دیا — اب کار پر ہی کلکتہ میں آنا جانا ہوتا، جو مولانا کی جیب کے لیے بار گراں سہی، مزاج سے ہم آہنگ تھا، ایک دن کار کہیں ٹھہری، اور رکی گاڑی پر لوگوں نے مولانا کا جلوہ دیکھ لیا، پھر کیا تھا، مصافحوں پر مصافحے، عقیدت نچھاور ہو رہی تھی اور محبت بچھتی چلی جا رہی تھی — مگر مزاجاً مولانا کی مصیبت بڑھتی جا رہی تھی، خدا خدا کر کے مولانا ۱۰/بالی گنج (کرایہ کی رہائش گاہ) پہونچے — اور کار میں پردہ لگانے کا حکم جاری ہو گیا۔ یہ تھا مولانا کا مزاج و انداز!

بات پہ بات یاد آتی ہے، اور دو دور کے مزاج کا فرق بھی نگاہوں میں پھر جاتا ہے، آج ہر شخص ''**اپنا گھر**'' کا خواب سجاتا ہے، کچھ نہ ہو سکے تو ''**اندرا آواس**'' ہی کی آرزو رکھتا ہے، ''اپنا گھر'' ہر فرد کی سماجی ضرورت ہے، مگر وہ دور دوسری ضرورتوں اور اونچی قدروں کا تھا، مولانا پوری زندگی لامکان رہے، نہ انہوں نے مکان سازی کی آرزو سجائی، نہ ان کے پدر بزرگوار نے، چاہتے تو بڑی کوٹھی ان کے لیے چھوٹی چیز ہوتی، مگر ''ان کی ضرورت'' کے خانہ میں ''یہ جنس'' تھی ہی نہیں — جو بے نیاز کا بندہ ہے بے نیاز رہے — مولانا کے گھرانہ نے کلکتہ میں کرایہ کے مکان میں ہی گذر بسر کی اور لانبے عرصہ تک A19 بالی گنج کو نوازا، اب اسی مکان کو مولانا کی یادگار میں بدل دیا گیا ہے!

مولانا کی کم آمیزی اور مجمع سے دوری کی وجہ جو بھی رہی ہو مگر ایک عالم اور ایک عوامی لیڈر کیلئے یہ سادگی اور بے نیازی مہنگی پڑتی ہے، اور اسکے اثرات مولانا کی زندگی میں بھی سامنے آئے، اور آتے رہے — گاندھی جی کلکتہ پہونچے، اور وقت لئے بغیر مولانا کے گھر پہونچ گئے — مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، مولانا آزاد کے دست راست، نے گاندھی جی کو بٹھایا، اور تیز رفتاری کے ساتھ مکان کے اوپر کی منزل پر پہونچے۔ مولانا مطالعہ میں مشغول تھے — ''گاندھی جی آئے ہیں، انہیں نچلی منزل میں بٹھایا ہے،'' مولانا ملیح آبادی نے کہا:۔ ''یہ میرے مطالعہ کا وقت ہے، ان سے کہہ دیجئے کہ شام کو آئیں'' یہ مولانا آزاد کا جواب اور گاندھی کے استقبال کا انداز تھا، مولانا ملیح آبادی نے پھر یاد دہانی کی ''گاندھی جی ہیں'' — مگر مولانا اپنے جواب پر قائم، اپنے انداز پر اٹل — گاندھی جی واپس چلے گئے، اور پھر شام کو آئے!

وقت کی پابندی بڑی خوبی ہے، اور زندگی کے بھرپور استعمال کا بنیادی نسخہ — مگر سیاست کی وادی میں بیدردی کے ساتھ جو خزانہ خالی کیا جاتا ہے، وہ روپئے سے زیادہ ''وقت'' کا ہے، اور مرحلہ خار دار میں ''خون تمنا'' نہیں دیکھا جاتا، زندگی اور اچھی خاصی بھلی زندگی اور قیمتی وقت کو قاتل سیاست کے حوالہ کرنا پڑتا ہے، مولانا قعر دریا میں رہ کر دامن کو خشک رکھنے کی کوشش کرتے رہے، ''سچ ہوا کرتی ہیں ان خوابوں کی تعبیریں کہیں''—؟ گاندھی جی کے ساتھ یہ خشک رویہ صوفی منش عالم دین کا ہو، تو چلے گا، مگر جس وادی پر خار کے ہمارے مولانا شہسوار تھے، اس کے آداب کے مطابق یہ رویہ ٹھیک نہیں ہے، یہ رویہ باعظمت جتنا مانا جائے، پُرحکمت نہیں مانا جاسکتا اور پھر عوام کے جذبۂ دیدار پر برقعہ پوشی ''عوام کے مرکز خیال'' سے میل نہیں کھاتا۔

عوام اور خواص کو متأثر کرنے کی مولانا میں بے پناہ صلاحیت تھی، ان کا علم، ان کی خطابت، ان کا سراپا، ان کی شخصیت، ان کا انداز، ان کی وجاہت، ان کا فکری تسلسل، ان کی دین وشریعت پر نظر اور پھر اپنے نقطہ کو پیش کرنے کی منطقی ترتیب نے ہم عصروں اور بڑے بڑوں میں مولانا کو ''عظیم تر'' کے درجہ پہ بٹھا رکھا

تھا۔ بھوپال میں عوامی اجلاس تھا، مجمع بڑا تھا، اور مخالفوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، وہ بھی لاٹھی، چھرے اور گڈاسے، بلّم سے آراستہ، مولانا اس ''خطرناک مجمع'' میں بولنے کے لیے بے چین نظر آرہے تھے، جیسے ہی ناظم اجلاس نے مولانا کا نام لینا شروع کیا، مولانا کھڑے ہوئے اور ذرا دائیں جانب رخ کرکے تقریر شروع کردی، تھوڑی دیر میں لاٹھی، چھرے ہاتھوں سے چھوٹے اور مجمع ششدر، مبہوت، بلکہ مسحور —— پندرہ بیس منٹ کے بعد مولانا نے رخ بدلا اور بائیں رخ پر ذرا گھوم گئے، تو سارا مجمع زیروزبر، مولانا کو سامنے سے دیکھ کر سننے کے لیے مجمع اِدھر سے اُدھر ہوگیا —— مولانا اس سحر انگیز خطابت کے مالک تھے!

مگر مولانا ''بھیڑ'' میں تنہا انسان تھے، بے حد شریف النفس، پر اعتماد، دوسروں کی انسانیت اور شرافت پر اعتماد کرنے والے، انہوں نے کبھی اپنا گروپ نہیں بنایا، وہ سب کو اپنا سمجھتے تھے، یہی مولانا کی بڑی طاقت تھی، اور یہی سب سے بڑی کمزوری! جس وقت پنڈت جواہر لال نہرو خاموش ہوگئے، اور گاندھی جی نے پاکستان بننا قبول کرلیا، مولانا کو اپنی کمزوری اور تنہائی کا پورا احساس ہوا ہوگا، مولانا کی نگاہوں کے سامنے خیالوں کا ''تاج محل'' بکھر چکا تھا —— مجھے ایسا لگتا ہے کہ ۹/۱۱ میں امریکن ٹریڈ ٹاور کو پگھلتے، بکھرتے اور گرتے دیکھ کر معصوم اور بے خبر امریکیوں پر جو بیتی ہوگی، وہی حال ''فیصلہ تقسیم وطن'' پر مولانا کا ہوا ہوگا، اور جس طرح امریکی شیاطین اس حادثہ اور اپنی سازش پر مطمئن رہے، آزادی وطن کے وقت بھارت کے ''شریف لوگ''، مطمئن رہے ہوں گے —— اور تقسیم وطن کے ساتھ ملنے والی آزادی اور انسانی خون کی ارزانی نے کس دوہری بے چارگی میں مولانا کو مبتلا کردیا ہوگا؟ —— اب بھی ذرا سوچ لیجئے۔

میرا یہ بھی احساس ہے کہ جداگانہ طریق انتخاب کے موقعہ پر مولانا آزادؒ کا جو ذہن تھا، اور جمیعۃ علماء ہند کی جیسی پالیسی تھی، اس کے مطابق ان کے ہمنواؤں نے پوری توانائی کانگریس کو ووٹ ڈلوانے پر لگادی، پھر بھی ناکامی حصہ میں آئی، اور نتیجہ میں مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت قرار پائی، اگر جمیعۃ علماء ہند حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ، حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ، حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کی راہ پر چلی ہوتی، اور کانگریس کی جگہ اپنے لیے ووٹ مانگا ہوتا، تو عام مسلمانوں میں اس حلقہ کی یہ تصویر بنتی کہ یہ لوگ اپنی سیاست کرنے والے ہیں اور اقتدار میں ساجھے داری کی سیاست کررہے ہیں، اس طرح نہ مسلم لیگ کے ورکرس کو زیادہ کہنے کا موقعہ ملتا اور نہ ہمارے بزرگوں کا حلقہ سکڑتا؛ بلکہ شاید خود کانگریس کی سیاست بھی بدل جاتی، اور ملک کا نقشہ دوسرا ہوتا۔

لوگ بھول گئے کہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے ۱۹۳۷ء میں مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی بنائی، اور الیکشن میں حصہ لیا، تو کانگریس کے بعد بہار کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی ثابت ہوئی، اور صورتحال ایسی بنی

کہ اس نے حکومت بھی بنالی، لوگ یہ بھی بھول گئے، کہ جس بھاگلپور میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی دستار کو سر سے کھینچ کر پیروں تلے روند دیا گیا، سال بھر بعد جب اسی حلقہ انتخاب سے اسمبلی الیکشن میں مسلم لیگ کے بڑے لیڈر علاء الدین صاحب ایڈوکیٹ کھڑے ہوئے، تو حضرت مولانا سجادؒ کے دست راست اور حضرت مدنی کے شاگرد رشید حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں نہ صرف الیکشن ہار گئے، بلکہ جناب علاء الدین صاحب کی ضمانت ضبط ہوگئی، اور مسلم لیگ کو صوبہ بہار میں زبردست شکست سے دوچار ہونا پڑا، **حضرت مولانا سجادؒ اور ان کے رفقاء نے بروقت ایک سیاسی فیصلہ کیا، انہوں نے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کو سبق سکھایا، اسی سیاسی فیصلہ پر پورے شمالی ہندوستان میں عمل کیا جاتا، تو آج ہندوستان کا مسلمان حسرت اور حیرت کے ساحل پر زندگی نہیں تلاش کرتا۔**

سیاست میں رواداری کچھ ہی دور تک چلا کرتی ہے، چانکیہ سے لے کر میکاویلی تک اور رانا سانگا سے لے کر شیواجی تک کا یہی سبق رہا ہے، اور یہی طریقہ سکّہ رائج الوقت بنا ہوا ہے — غیر مسلم لیگی مسلمانوں نے رواداری کی حد کردی اور ٹھیٹھ مذہبی روایت پسندی کی راہ اپنائی، جس کے نتیجہ میں سیاسی فیصلہ اور بروقت اقدام کا طریقہ نہیں اپنایا گیا، مشکل حالات میں نئی راہ بنا لینے کی تکنک بھی دھری کی دھری رہ گئی، ٹھٹھک ٹھٹھک کر ساتھ ساتھ چلتے رہے، رواداری، شرافت اور روایت کی پوری پاسداری کیجاتی رہی، اور یہ حقیقت بھی نظر انداز ہوگئی کہ ریل اور جیل کی دوستی کو جب اقتدار کی حرارت سے واسطہ پڑتا ہے، تو دوستی بھاپ بن کر اڑ جاتی ہے، اور ہماری سرزمین نے یہ بھی سکھایا کہ اقتدار کی ہانڈی استحصال اور استعمال کے چولھے پر کھدکتی ہے!

میرا احساس ہے کہ مولانا کے وجود کا جو تحفہ دربار الٰہی سے ملا تھا، اور ایک بے مثال ہمہ جہت عالم دین کی جو شخصیت تھی، وہ آزادی ہند کی تحریک پر قربان ہوگئی، اور اتنی بڑی قربانی کے بعد ملک کو جو لیڈر ملا، اس نے فقر و فاقہ کی زندگی گذاری، قوم نے کبھی نہیں سونچا کہ اتنے بڑے لیڈر کی بھی کچھ بنیادی ضرورتیں ہوتی ہیں، جو اسکے قد و قامت کے لحاظ سے ہوتی ہیں، — اس عظیم لیڈر کی بات نہ کانگریس کے لیڈروں نے مانی اور نہ عام طور پر مسلمانوں نے — میں ایسا مانتا ہوں کہ آزادی کے فوراً بعد کے پرآشوب حالات میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ کا آخری خطاب جامع مسجد کی سیڑھیوں سے ہوا، اور اس تاریخی خطاب کے بعد، میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مولانا کا انتقال ہوگیا۔ مگر اتنا کہہ سکتا ہوں کہ امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ جس صفحہ پر لکھا تھا، وہ پلٹ گیا، اب دوسرا صفحہ سامنے تھا مولانا ابوالکلام آزادؒ — وزیر تعلیم حکومتِ ہند!

☆☆☆

مولانا عتیق احمد قاسمی ☆

عالم اسلام کے المناک حالات تجزیہ اور چند مشورے

[زیرِ نظر مضمون میں عالم اسلام کی زبوں حالی پر اختصار مگر جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اور اس وقت کی صحیح صورت حال کو بلا کم و کاست واضح کیا گیا ہے مضمون معلومات سے پُر ہے، اور اس کا یہ افادی پہلو بھی لائق داد ہے کہ اس میں عالم اسلام کی موجودہ صورت حال کے لئے بڑے اہم، چشم کشا اور مفید مشورے پیش کئے گئے ہیں ان مشوروں میں علم، تجربہ اور فکرمندی تینوں کی آمیزش ہے، اس لئے وہ ہر طرح قابل قبول اور لائق عمل ہیں۔ مضمون نگار محترم مولانا عتیق احمد قاسمی زید مجدہم صاحب قلم عالم دین اور باوقار خادم ملت ہیں، ندوۃ العلماء کی مسندِ تدریس اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے شعبۂ دارالقضاء کے پلیٹ فارم سے انہوں نے ملت اسلامیہ کی بے لوث خدمت انجام دی ہے اور اس وقت بھی ملت کی ''**عظمت رفتہ**'' کی بازیابی کے لئے مسلسل سرگرداں اور سرگرم عمل ہیں۔ اطال اللہ بقاءہ و ادام نفعہ ——— محمد عمرین محفوظ رحمانی]

اس وقت پوری دنیا میں مسلم ممالک اور مسلمانوں کے حالات بد سے بدتر ہیں، حالات کی سنگینی اور خوفناکی عامۃ الناس اور اہل فکر و دانش کو پریشان کئے ہوئے ہے، عالم عرب پر نظر ڈالیں تو وہاں سب سے زیادہ برے حالات ہیں، خونِ مسلم کی جو ارزانی آج نظر آرہی ہے تاریخ میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

عراق و شام کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے ہیں، ان دونوں ملکوں میں لاکھوں انسانوں کی جانیں ضائع ہو چکی ہیں، اور دسیوں لاکھ انسان خانماں برباد ہیں، ریلیف کیمپوں میں پناہ لئے ہوئے ہیں اور شدید ترین انسانی المیہ سے دوچار ہیں، لیبیا میں خانہ جنگی جاری ہے، آپسی جنگوں میں ہر سال ہزاروں لوگ ہلاک ہو رہے ہیں، مصر کی صورت حال کم المناک نہیں ہے، اخوانی جمہوری اور قانونی طور پر برسر اقتدار آئے، امید

☆ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء و سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی (ہند)

کی کرن روشن ہوئی ،لیکن پھر عالمی طاقتوں اور بعض عرب ممالک کی ساز باز سے مصری فوج کا استعمال کر کے نہ صرف صدر محمد مرسی کا تختہ پلٹ دیا گیا بلکہ اسلام پسندوں اور اخوانیوں کو بدترین ظلم واستبداد کا نشانا بنایا گیا، اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے، مصر میں اخوان کے برسر اقتدار آنے سے اسرائیل کے چہرے پر فکر وتشویش کی جو لکیریں ظاہر ہوگئی تھیں انہیں مٹانے اور اسرائیل کو اپنی سیکورٹی کے بارے میں پورے طور سے مطمئن کرنے کے لئے یہ گھناؤنا کھیل کھیلا گیا، مصر کے حالات بد سے بدتر ہیں، اور وہاں زیر زمیں اضطراب کی لہریں بڑی شدت کے ساتھ موجود ہیں، اسلام دشمن طاقتوں اور اسرائیل کے لئے اس سے بڑی خوشی کی بات کیا ہوگی کہ مسلمان خود ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں۔

یمن سیاسی عدم استحکام کا شکار ہے، وہاں کے شیعہ حکومت کو مغلوب اور یمن میں اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے مسلسل اقدامات اور حملے کر رہے ہیں، بدامنی اور انارکی پھیلی ہوئی ہے، بحرین میں شیعوں کے دعوے کے مطابق شیعوں کی اکثریت ہے، اس لئے وہاں بھی مسلسل مظاہروں کا سلسلہ ہے اور شیعہ حکومت پر قابض ہونا چاہتے ہیں، سعودی عرب کا مشرقی علاقہ شیعوں کی کثیر آبادی کا علاقہ ہے، وہاں بھی زیر زمیں لاوا پک رہا ہے، سعودی عرب اور خلیجی ممالک میں بظاہر سکون نظر آتا ہے، لیکن عوام کی بڑی تعداد اپنے حکمرانوں سے خوش نہیں ہے، اور اندرونی طور پر کشمکش جاری ہے، تیونس جہاں سے عرب بہار کا آغاز ہوا تھا اسلام پسند جماعتوں نے وہاں اقتدار میں آنے کے بعد عالمی حالات کا رخ محسوس کر کے اقتدار سے دست برداری کو قبول کیا اور تیونس کو خانہ جنگی سے بچالیا۔

فلسطین میں اسرائیل ظلم و بربریت کا جو ننگا ناچ بار بار دکھا رہا ہے اس سے انسانیت کی پیشانی عرق آلود ہے اور عالمی طاقتیں نیز عرب ممالک اس سفاکیت اور چنگیزی کے خاموش تماشائی ہیں، لفظی بیان بازیوں کے علاوہ اسرائیل کو سفاکی سے روکنے کے لئے نہ اقوام متحدہ کوئی قدم اٹھاتا ہے نہ دنیا پر چودھراہٹ کرنے والی بڑی عالمی طاقتیں، بلکہ امریکہ اور اس کے حلیف، اسرائیل کو اس کی سیکورٹی اور تحفظ کے نام پر فلسطینی عربوں پر ہر ظلم و بربریت کی اجازت دئے ہوئے ہیں، جہاں تک عرب ممالک کا معاملہ ہے، ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے اسرائیل سے خفیہ مصالحت کر رکھی ہے یا پھر وہ اتنے کمزور ہیں کہ انہیں اسرائیل سے آنکھیں چار کرنے کی بھی ہمت نہیں ہے۔

الجزائر جسے لاکھوں اہل دین کی شہادت وقربانی کے بعد فرانسیسی استعمار سے آزاد کرایا گیا وہاں بھی مسلمانوں کو اپنی من پسند حکومت قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے، چند سال پہلے اسلام پسندوں نے

الجزائر میں جمہوری الیکشن میں زبردست کامیابی حاصل کرلی پھر انہیں حکومت سازی کا موقع نہیں دیا گیا ظلم و بربریت کے ذریعہ انہیں پسپا کرنے کے بعد اقتدار کی دہلیز سے بہت دور کردیا گیا، امریکہ اور مغربی ممالک ہر مسلم ملک میں اپنے ساختہ پرداختہ وفادار سیاسی قائدین کو ایوان حکومت میں متمکن دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے ہر گھٹیا قدم اٹھانے کے لئے تیار رہتے ہیں، اس مقصد کے لئے دولت کے دھانے کھول دئے جاتے ہیں۔

مغرب (خصوصاً امریکہ) اپنی اس پالیسی میں ہماری نادانیوں کی وجہ سے پورے طور پر کامیاب ہوگیا کہ اس نے پورے عالم اسلام میں شیعہ سنی جنگ بھڑکا دی، شیعہ سنی اختلافات کا فائدہ اٹھا کر عالم اسلام کو خونی جنگ میں مبتلا کردیا گیا، شیعوں کو سنیوں کا خوف دلایا گیا، اور سنیوں کو شیعوں سے خوف زدہ کیا گیا، اور دونوں فرقوں میں یہ ذہن پیدا کردیا گیا کہ شیعہ سنی ایک ملک اور ایک علاقہ میں امن وامان کے ساتھ نہیں رہ سکتے اور ایک دوسرے کو برداشت نہیں کرسکتے۔

عالم اسلام کے یہ حالات حد درجہ المناک اور تکلیف دہ ہیں، لیکن میرے لئے تعجب خیز بالکل نہیں، جب یورپ کے مسیحی ملکوں میں فرقہ وارانہ جنگ جاری تھی، کیتھولک، ارتھوڈکس، پروٹسٹنٹ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، جس فرقہ کی جہاں حکومت یا اکثریت ہوتی وہ دوسرے فرقہ کو فنا کے گھاٹ اتار دینا چاہتا اور مظالم کے پہاڑ توڑتا، اس کے برعکس عالم اسلام خلافت کے پرچم تلے متحد تھا، مسلمانوں میں کلمہ کی بنیاد پر اتحاد تھا، سارے مسلمان سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح تھے اس وقت یورپ میں مسلمانوں کی داعیانہ اور فاتحانہ پیش قدمی جاری رہی، جس ملک میں جو فرقہ مظلوم ومقہور ہوتا وہ اپنی نجات اور رہائی کے لئے مسلمان حکمران کو حملہ اور قبضہ کی دعوت دیتا، عام رعایا بھی عیسائی حکمرانوں کے مظالم سے تنگ تھی اس لئے وہ بھی فاتحین کا استقبال کرتی اور انہیں نجات دہندہ تصور کرتی۔

دو تین صدیوں سے حالات رفتہ رفتہ تبدیل ہوتے گئے، عیسائی ممالک کے عوام اور حکمرانوں نے طے کرلیا کہ اب ہمیں مذہبی اختلافات کی بنا پر برسرپیکار نہیں ہونا بلکہ عیسائیت کے مشترکہ مفاد کے لئے ایک ساتھ کھڑا ہونا ہے، مختلف عیسائی فرقوں کے اعتقادی اور عملی اختلافات کو خوشدلی کے ساتھ برداشت کرنا ہے اور مسلمانوں کے اختلافات کو ہوا دے کر اور ان میں نئے نئے اختلافات پیدا کرکے ان کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا ہے اور ان کی قوت کو انتہائی کمزور کرنا ہے۔

اس منصوبہ کے تحت مغرب سرگرم عمل ہوگیا، عثمانی خلافت جس کے پرچم تلے عالم اسلام کا بڑا حصہ متحد تھا، اسے پارہ پارہ کرنے کے لئے منصوبے بنائے گئے، دولت عثمانیہ کو کمزور کرنے اور اس کی پیش قدمی کو

روکنے کے لئے ایران میں صفوی مملکت کھڑی کی گئی، اسے طاقت ور بنانے کے لئے ہر ممکن حربہ استعمال کیا گیا، ایران کی صفوی سلطنت نے ہمیشہ مغرب کا ساتھ دیا، اور مغرب کے اشارے پر دولتِ عثمانیہ سے وہ بر سر پیکار رہی، دولت عثمانیہ کے ساتھ صفویوں کی آویزش اور جنگ وجدال نے عثمانیوں کے یورپ میں بڑھتے قدم روک دئے، اور دولتِ عثمانیہ کو دفاعی پوزیشن میں ڈال دیا۔

دولت عثمانیہ کے تحت مختلف علاقوں میں عیسائیوں کی بڑی تعداد آباد تھی، اور عثمانی حکمرانوں نے اپنی مسیحی رعایا کے ساتھ بھی ہمیشہ عدل وانصاف کا معاملہ کیا، اس کے باوجود یوروپین ممالک کے حکمرانوں نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ دولت عثمانیہ کے عیسائی اکثریت والے صوبوں میں دولت عثمانیہ کے خلاف تحریکات برپا کیں، عیسائی رعایا کو دولت عثمانیہ کے خلاف بھڑکایا، مسلح بغاوت کے لئے ہر طرح کے انتظامات کئے، اولاً ان صوبوں میں داخلی خودمختاری کی تحریکیں چلیں، پھر مکمل آزادی کے لئے مسلح جدوجہد شروع ہوگئی، مغربی ممالک کے کھلے اور چھپے تعاون سے دولت عثمانیہ کے وہ صوبے رفتہ رفتہ اس سے الگ ہوگئے، بلکہ دولت عثمانیہ سے برسر پیکار ہوگئے۔

دولت عثمانیہ کے مسلمان باشندوں میں دو قومیں بہت نمایاں اور ممتاز تھیں (۱) ترک (۲) عرب۔ تقریباً تمام عرب ممالک اس وقت دولت عثمانیہ کا حصہ تھے، مصر، شام، فلسطین، لیبیا، جزیرۃ العرب، یمن وغیرہ دولت عثمانیہ میں شامل تھے، ان تمام ممالک میں اسلامی خلافت کا پرچم لہراتا تھا، اور ترک وعرب اسلامی خلافت کے زیر سایہ باہم شیر وشکر تھے، سب کی ہمدردیاں اور دعائیں عثمانی خلیفہ کے ساتھ تھیں، بلاد مغرب نے اپنے سفارت خانوں اور وظیفہ خوار ایجنٹوں کے ذریعہ دولت عثمانیہ میں قومیت اور وطنیت کا بیج بو دیا، ترکوں اور عربوں میں منافرت پیدا کی، عربوں میں یہ احساس جگایا کہ دولت عثمانیہ کے تحت عرب مجبور ومقہور ہیں، ترکی سامراج نے عربوں کو غلام بنا رکھا ہے اور عربوں کے حقوق سلب کر رکھے ہیں، لہذا عربوں کی الگ سلطنت وحکومت قائم ہونا چاہئے اور ترکی خلافت کو بلاد عربیہ سے بے دخل کیا جانا چاہئے، دوسری طرف ترکوں میں یہ ذہن پیدا کیا گیا کہ ہم نے بلا وجہ بلاد عربیہ کی حفاظت کا ذمہ اپنے سر لے رکھا ہے اور عرب ملکوں کے تحفظ وترقی کے لئے ہمیں بہت کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے، اور دوسرے ممالک سے دشمنی مول لینی پڑتی ہے، ترکوں کی بھلائی اس میں ہے کہ وہ اپنی قوم ونسل کی حفاظت اور ترقی میں اپنی توانائیاں صرف کریں، اور بے فائدہ بوجھ اپنے سر پر نہ ڈالیں، اپنی قوم اور ملک کو مضبوط کریں۔

برطانیہ نے شریف مکہ وغیرہ کو عربی خلافت کا خواب دکھا کر اپنے دام میں پھانس لیا، جنگ عظیم اول کے موقع پر بہت سے عرب قائدین نے دولت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کی اور دُولِ یورپ (برطانیہ، فرانس وغیرہ) کے ساتھ مل گئے

،اس طرح بلاد عربیہ دولت عثمانیہ سے الگ ہوگئے، اورانہیں برطانیہ، فرانس، اٹلی وغیرہ نے آپس میں بانٹ لیا۔

بلاد یورپ نے اپنے مطالب ومقاصد کے لئے عالم عرب کے قلب میں اسرائیل کے نام سے یہودی سلطنت قائم کرلی، اور فلسطینی عربوں کو ان کے وطن اور املاک سے محروم کردیا، اس کے بعد فلسطینیوں کے ساتھ ظلم وبربریت کے جو اقدامات کئے گئے ان کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور چنگیزیت بھی اس سے شرمندہ ہوجاتی ہے۔

برطانیہ، فرانس وغیرہ نے عرب قائدین سے ان کی حکومتیں قائم کرنے کے جھوٹے وعدے کئے تھے، یہ ممالک جنگ عظیم اول میں فتحیاب ہونے کے بعد اپنے سارے وعدے فراموش کر بیٹھے، بلاد عربیہ کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ کر بہت سی حکومتیں قائم کردیں جو اپنے دفاع اور دوسری ضروریات کے لئے ممالک یورپ کی دست نگر تھیں اور ان ملکوں کے درمیان ایسے سرحدی تنازعات کھڑے کردئے کہ یہ چھوٹے چھوٹے ممالک ہمیشہ برسرپیکار رہیں، اور باہمی کشاکش کی وجہ سے بڑی طاقت نہ بن سکیں۔

عالم عرب میں آج جو کچھ ہورہا ہے وہ صہیونی اور صلیبی سازشوں اور منصوبہ بندیوں کا حصہ ہے، ان منصوبوں کے آخری مراحل ظہور پذیر ہورہے ہیں، جو عرب ملک رقبے اور وسائل کے اعتبار سے کچھ بڑے محسوس ہورہے ہیں انہیں کئی حصوں میں بانٹ کر وہاں اپنے کارندے بٹھانے کی تیاریاں ہیں، دشمن کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ ہمیں بکھیر دے اور ہماری قوتوں کو کمزور کردے، افسوس تو اس کا ہے کہ ہم اپنی سادہ لوحی یا مفاد پرستی کی وجہ سے اس کی سازشوں کا شکار ہوگئے اور دشمن کے منصوبوں کو نہ سمجھ سکے یا سمجھنا نہیں چاہتے، صلیبیوں اور صہیونیوں نے ہماری وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے طویل منصوبہ بندی کی اور اپنے وسائل کا بھرپور استعمال کیا، انہوں نے اپنے تعلیمی نظام اور ڈپلومیسی کے ذریعہ ہر مسلم ملک میں ایک ایسا طبقہ تیار کرلیا جو اپنے کو لیبرل اور ترقی پسند کہتا ہے، مغرب کا وفادار اور مغربی فکر وثقافت کا داعی ہے، بلاد مغرب اسی طبقہ کو مسلم ممالک میں حکمرانی سونپنا چاہتے ہیں، اور انہیں برسر اقتدار لانے کے لئے دولت کے دہانے کھول دیتے ہیں، اور اپنے تمام وسائل واثرات کا بھرپور استعمال کرتے ہیں، آج پورے عالم اسلام میں تقریباً ہر مسلم ملک میں یہ کشاکش جاری ہے، ملک کی عام آبادی اسلامی حکومت چاہتی ہے، احکام اسلام کا نفاذ چاہتی ہے، لیکن یہ لیبرل اور سیکولر طبقہ مغرب کی ہدایت اور مدد سے اقتدار پر ہر حال میں قابض رہنا چاہتا ہے اور مسلم ملک میں مغرب کے بیمار کلچر کو فروغ دینا چاہتا ہے، خواہ اس کے لئے خون کے دریا ہی سے گذرنا پڑے۔

اللہ نے مسلم ممالک کو زیر زمیں جن دولتوں سے مالا مال کر رکھا ہے مثلاً پٹرول اور قیمتی معدنیات وغیرہ اس کی وجہ سے امریکہ اور اس کے حلیف ممالک ان ملکوں سے اپنے کو دست کش نہیں کرنا چاہتے، ان کے

اقتصادی اور مادی مفادات اسی خطے سے وابستہ ہیں اور بلاد عربیہ کا سیال سونا (پٹرول) انہیں مجبور کر رہا ہے کہ وہ ان ممالک پر اپنی سیاسی بالادستی قائم رکھیں، جس کے لئے اس علاقہ میں جنگیں برپا کرنا اور بدامنی پھیلانا بھی ضروری ہے، اس خطہ میں جنگ اور کشاکش کا ماحول بنا رہنے سے اسلحہ کی تجارت کو بھی بڑا فروغ ملتا ہے جس سے امریکہ اور یورپ کے بڑے ممالک کی اقتصادی صورت حال بہتر سے بہتر ہونے کی امید ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب تک مسلمانوں میں کلمہ کی بنیاد پر وحدت واخوت کا ماحول نہیں پیدا ہوگا، قومی، نسلی، نسبی، لسانی اور مسلکی عصبیتیں پنپتی رہیں گی، فرقہ واریت جنون کی شکل اختیار کرتی رہے گی اور ہم دشمنان اسلام کی چالوں کو سمجھ نہیں پائیں گے، اس وقت تک عالم اسلام کے حالات بد سے بدتر ہوتے رہیں گے اور ہر نئی صبح مشکلات ومصائب کا نیا پہاڑ لیکر آئے گی۔

عالم عربی سے باہر نظر ڈالتے ہیں تو ترکی کے حالات مجموعی طور پر بہتر محسوس ہوتے ہیں، ترک قیادت بڑی حکمت، جرأت اور دوراندیشی سے ملکی اور عالمی مسائل پر اپنا موقف طے کرتی ہے اور اس کا اظہار کرتی ہے، موجودہ ترک حکومت مغرب کی نگاہ میں بری طرح کھٹک رہی ہے، ترکی میں انتشار پیدا کرنے، موجودہ حکومت کو گرانے اور کمال اتاترک ٹائپ کے حکمرانوں کو ترکی پر مسلط کرنے کی تیاریاں اور سازشیں برابر جاری ہیں، اللہ تعالیٰ ترکی کی حفاظت فرمائے اور ترکی کی مومن قیادت کو وہ رول ادا کرنے کی توفیق بخشے جو رول دولت عثمانیہ ماضی میں ادا کر چکی ہے۔

ملیشیا اور انڈونیشیا مسلم اکثریتی ملک ہیں، ان دونوں ملکوں کے حالات عالم عرب سے کہیں بہتر ہیں، جمہوری نظام حکومت ہے الیکشن کے ذریعہ اقتدار میں پرامن تبدیلی آتی رہتی ہے، سیاسی میدان میں کوئی بڑا بحران اور کشاکش نہیں ہے، معاشی شرح نمو بھی بہتر ہے، عام مسلمانوں میں دین داری اور مذہبی بیداری ہے، لیکن سیاسی سطح پر اسلام پسند جماعتوں کے اثرات محدود ہیں، اللہ تعالی ان دونوں ممالک میں امن وامان قائم رکھے اور زندگی کے ہر میدان میں انہیں ترقیات عطا فرمائے۔

افغانستان میں دین کی جڑیں بہت گہری ہیں، اسلام کے لئے غیرت وحمیت ان کا خصوصی وصف ہے، دینداری افغانیوں کے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے ہے، روس نے جب افغانستان پر حملہ کرنا چاہا اور افغانستان کو مسخر کرنے کے لئے اپنی پوری فوجی طاقت جھونک دی تو افغانیوں نے بڑی قربانیاں پیش کیں اور روس کے سرخ ریچھ کو ملک افغانستان نگلنے نہ دیا، اس وقت جنرل ضیاء الحق پاکستان کے صدر تھے انہوں نے افغانیوں کو پورا سہارا دیا اور انہیں ہر طرح کی مدد پہونچائی، افغان پناہ گزینوں کی بہت بڑی تعداد

کو پاکستان میں جگہ دی اوران کی ضروریات کا تکفل کیا،اس مرحلہ میں امریکہ نے اپنے روایتی حریف روس کو ذلت آمیز شکست دینے کے لئے افغانیوں کی بھرپور مدد کی،انہیں اسلحہ اور سامان جنگ پوری سخاوت کے ساتھ فراہم کیا،افغانستان نے روس کو ذلت آمیز شکست دی،اسے افغانستان سے بھاگنا پڑا اور یہی شکست کمیونسٹ روس کے زوال کا سبب بن گئی،رفتہ رفتہ روس کے مختلف صوبے اس سے آزاد ہوگئے۔لیکن روس کو شکست دینے کے بعد جب افغانیوں نے اپنے ملک میں اسلامی حکومت قائم کی،اسلامی احکام وقوانین کا اجراء شروع کیا اور افغانستان کے اکثر علاقوں میں امن وامان قائم ہوگیا تو یہ بات امریکہ اور مغربی ممالک کو ایک آنکھ نہیں بھائی اور اسلام پسندوں کی حکومت کو اکھاڑ پھینکنے کا تہیہ کرلیا،القاعدہ کا ہوّا کھڑا کیا گیا،طالبان کو بدنام کرنے کے لئے نئے نئے افسانے تراشے گئے اور نائن الیون کے واقعہ کو بہانہ بنا کر امریکہ اور اس کے حلیفوں نے افغانستان میں آگ کی بارش شروع کردی،بڑی سفاکی اور بے دردی سے بمباری کی جاتی رہی، ناٹو کی فوجیں امریکی قیادت میں افغانستان میں اتاردی گئیں اور افغانستان کے بہت سے شہروں اور علاقوں کو کھنڈر میں تبدیل کردیا گیا،لاکھوں ناکردہ گناہ افغانیوں کو ہلاک کردیا گیا،طالبان کی طاقت توڑنے،مجاہدین کو چن چن کر قتل کرنے یا انہیں افغانستان سے باہر بعض دوسرے ممالک کی امریکی جیلوں میں قید کرکے بدترین ایذا رسانیوں کا طویل سلسلہ جاری رہا،افغانستان میں حامد کرزئی کی کٹ پتلی حکومت قائم ہوگئی،جو امریکہ کے اشاروں پر ناچتی تھی،افغانیوں کو اسلام پسندی کے جرم میں خوفناک سزائیں دی گئیں۔

یہ سب حالات افغانیوں کے عزم وعزیمت پر اثر انداز نہ ہوسکے،اوران کی مذہبی غیرت وحمیت اب بھی قائم ہے،پورے افغانستان میں طالبان کے گہرے اثرات ہیں اور وہ مناسب موقع کے منتظر ہیں،مغرب کے ایجنٹوں نے افغانستان میں بسنے والی مختلف نسلوں (پختون،ازبک وغیرہ) کے درمیان منافرت کو بڑھانے اور نسلی تشدد کو بھڑکانے کی بہت کوششیں کی ہیں اور اس میں انہیں کسی حد تک کامیابی بھی ملی ہے،اسی منافرت کی آگ کو دبانے اور ٹھنڈا کرنے اور اسلامی اخوت کو پیدا کرنے کی ازحد ضرورت ہے،ابھی مستقبل قریب میں الیکشن کراکے اشرف غنی کو صدر افغانستان بنایا گیا،جو حامد کرزئی سے بھی زیادہ مغرب کا وفادار اور اسلام بیزار ہے،اس کی بیوی فرانسیسی کرسچین ہے،اس نے ابھی حال میں افغانستان کے بارے میں جن عزائم کا اظہار کیا ہے وہ کافی تشویشناک ہیں،تاہم امید ہے کہ انشاء اللہ تاریکیاں چھٹیں گی اور افغانستان میں اسلامی حکومت کا سپیدۂ سحر نمودار ہوگا،مغرب نے افغانستان کے بارے میں جو برے منصوبے بنائے ہیں وہ ناکام ہوں گے۔

پاکستان اسلام کے نام پر بنا،اس کے دستور کی تمہید میں قرارداد مقاصد کو شامل کیا گیا،جس کو مختلف

مسالک کے ممتاز علماء اور اہل دانش نے متفقہ طور پر تیار کیا تھا، لیکن افسوس ہے کہ پاکستان بننے کے ۶۷ سال گذرنے کے باوجود وہاں ابتک سیاسی استحکام پیدا نہیں ہوسکا، بار بار فوجی انقلابات آتے رہے، اسلامی معاشرہ تشکیل دینا اور اسلامی احکام نافذ کرنا تو دور کی بات ہے وہاں تو جمہوری قدریں بھی فروغ نہ پاسکیں، سیاسی پارٹیوں کی حد درجہ چپقلش اور رسہ کشی نے سیاسی اور سماجی انارکی پیدا کردی اور پاکستان کا مستقبل غیر واضح بنادیا۔

نسلی تشدد اور مذہبی فرقہ بندی بھی عروج پر ہے، شیعہ سنی جنگ مدت دراز سے جاری ہے اور کافی خون خرابا ہو چکا ہے، نفرت کی دیواریں کافی بلند ہوچکی ہیں نسلی تشدد بھی ہزاروں لوگوں کی جانیں لے چکا ہے خصوصاً کراچی اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں۔ پاکستانی طالبان اور پاکستانی فوج کی باہمی جنگ نے خونِ مسلم کو حد درجہ ارزاں کردیا ہے، ہزاروں کی جانیں جاچکی ہیں اور دونوں طرف ہلاک ہونے والے مسلمان ہی ہیں۔ وزیرستان میں فوج کا آپریشن بھی کم ہلاکت آفریں نہیں ہے ہزاروں مسلمان ہلاک ہوچکے ہیں اور لاکھوں خانماں برباد ہیں، یہ خانہ جنگی اس وقت ہے جب کہ پاکستان ہر طرف سے خطرات سے گھرا ہوا ہے اور قدرتی آفات ان کے علاوہ ہیں مذہبی تنظیمیں، جماعتیں اور ادارے بڑی تعداد میں ہیں اور اپنے اپنے حلقہ میں کافی سرگرم عمل ہیں لیکن سیاسی اور سماجی طور پر ان کی پکڑ بہت کمزور ہے، مذہبی جماعتیں اسلامی کاز کے لئے متحد کیا ہوتیں انہیں ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی سے فرصت نہیں۔

ایران اگر چہ کسی حد تک داخلی طور پر مضبوط ہے لیکن مسلم مسائل کے تئیں اس کی پالیسیاں اضطراب انگیز ہیں، شیعیت کی توسیع وتبلیغ کے لئے اس کی مسلسل سرگرمیاں شیعہ سنی منافرت میں اضافہ کررہی ہیں، دنیا کے جس ملک میں بھی شیعہ آبادی ہے ایران عملی طور پر اس کو اپنی رعیت تصور کرتا ہے اور ان کے حقوق و مفادات کے لئے اپنے کو ذمہ دار سمجھتا ہے، اس بہانے وہ دوسرے ممالک کے داخلی معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے، امریکہ اور مغربی ممالک کے ساتھ ایران کے تعلقات کی نوعیت بھی عجیب وغریب ہے، ظاہر میں ایران کا موقف عام طور سے امریکہ اور مغرب کے خلاف ہوتا ہے، لفظی جنگیں بھی بار بار برپا ہوتی ہیں لیکن عالم اسلام کو پارہ پارہ کرنے میں بار بار ایران امریکہ اور مغرب کا معاون بلکہ شریک کار بن جاتا ہے، افغانستان، عراق میں خاص طور سے۔ ایران نے امریکہ اور اس کے حلیفوں کی در پردہ بھرپور مدد کی ہے، ایران کی ان پالیسیوں نے عالم عربی کو خاص طور سے امن وسکون اور استحکام سے محروم کردیا ہے۔

مختلف مسلم ممالک میں برپا شیعہ سنی جنگ نہ سنیوں کے مفاد میں ہے نہ شیعوں کے، اس مسلط کردہ جنگ کی وجہ سے امریکہ اور اس کے حلیفوں کو اس کا پورا موقع ملا کہ عالم اسلام کو اپنی چراگاہ بنائیں، اہل توحید کو آپس

میں لڑا کر اپنے سیاسی اور معاشی مفادات پورے کریں اور عالم اسلام کی معدنیات اور ثروتوں پر اپنا کنٹرول قائم کریں، خلافت اسلامیہ کی چھتری ختم کرنے کے بعد صہیونی اور صلیبی طاقتوں نے عالم اسلام خصوصاً عالم عربی کو مختلف چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ کر ہر ملک میں ایسے حکمرانوں کو لانے اور انہیں طاقت پہونچانے کی کوشش کی جو ان ملکوں میں مغرب کے مفادات کی حفاظت کریں اور مغرب کے اشارے پر اپنی پالیسیاں بنائیں، ان چھوٹے ممالک سے امریکہ و برطانیہ وغیرہ کے طویل مدتی خفیہ معاہدے ہیں جن کی پابندی ان ملکوں کے فرمانرواؤں کے لئے ضروری ہے، مختلف ملکوں میں امریکہ وغیرہ کے بڑے بڑے فوجی اڈے ہیں جہاں امریکہ وغیرہ کی فوج جنگی ساز وسامان اور زبردست فوجی طاقت موجود ہے جو بروقت بڑے فوجی اقدامات کرسکتی ہے، ان ملکوں کی سیکورٹی بھی تمام تر امریکہ اور مغربی ملکوں پر منحصر ہے ان حالات میں کس ملک کی مجال ہے کہ وہ مغرب کے حکم سے سرتابی کرسکے اور اپنی آزاد پالیسی بنا سکے، اگر کوئی مسلم حکمراں اس طرح کی بات سوچتا ہے تو اسے بدترین انجام سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اسے راستہ سے ہٹا دیا جاتا ہے، عالم اسلام کے جو ملک اپنے رقبہ، افرادی قوت اور وسائل کے اعتبار سے بڑے ہیں انہیں از سر نو مختلف حصوں میں بانٹنے اور ان کی قوت کو منتشر کرنے کا زبردست منصوبہ ہے، یہ آج کل روبہ عمل لایا جارہا ہے۔

اوپر کے صفحات میں عالم اسلام کا جو منظر نامہ پیش کیا گیا ہے وہ مسرت آگیں بہت کم اور اضطراب انگیز زیادہ ہے، بسا اوقات حالات کی سنگینی سے مایوسی طاری ہونے لگتی ہے، لیکن اللہ کی رحمت سے کبھی بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے، خواہ حالات کتنے ہی بدتر ہوں سب سے پہلے تو حالات کی بہتری کے لئے گریہ وزاری کے ساتھ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالی ملکی اور عالمی سطح پر مسلمانوں کے حالات درست فرمائیں، ان کی صفوں میں اتحاد و اتفاق، محبت و یگانگت پیدا فرمائے اور مسلمانوں کو اپنے عقائد و اعمال درست کرنے کی توفیق دے، حالات کی یہ بدتری اور سنگینی ہماری بداعمالیوں کا ثمرہ ہے، جب یہ امت احکام الٰہی پر کاربند ہوگی اور اپنے معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھالے گی تو اللہ کی نصرت ہمارے ساتھ ہوگی اور حالات میں بہتری پیدا ہوگی [1] عالمی طور پر حالات کو بہتر بنانے کے لئے چند اقدامات ضروری ہیں جن کی تفصیل طویل مضمون بلکہ کتاب کی طالب ہے یہاں اختصار کے ساتھ چند باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) شیعہ سنی جھگڑا جو ایک ناموس کی شکل اختیار کرچکا ہے اس کا کوئی باعزت قابل قبول حل دونوں فرقوں کے علماء، عمائدین اور اہل دانش کو تلاش کرنا ہوگا، اس وقت مختلف مسلم ممالک میں جو شیعہ سنی جنگ برپا

---

[1] میں نے اس پہلو پر ایک مستقل مضمون لکھا ہے جس کا عنوان ہے ''قرآن وسنت کی روشنی میں انفرادی واجتماعی مصائب ومشکلات کا یقینی اور پائدار حل'' اس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

ہے اسے ہر قیمت پر روکنا ہوگا، دونوں فرقوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ نہ اہل سنت اہل تشیع کو ختم کر سکتے ہیں اور نہ اہل تشیع اہل سنت کو فنا کر سکتے ہیں، قرآن وحدیث کے اعتبار سے کسی کو دوسرے کے ساتھ قتل وقتال کی گنجائش نہیں، جب ہم غیر مسلموں کے ساتھ پرامن طور پر زندگی گذار سکتے ہیں اور ایک ملک اور ایک آبادی میں انسانی حقوق واقدار کا احترام کرتے ہوئے آباد رہ سکتے ہیں تو دو کلمہ گو فرقوں میں پرامن بقائے باہمی کے ساتھ گذارہ کیوں نہیں ہوسکتا؟ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اکثر شیعہ سنیوں کو خارج اسلام سمجھتے ہوں اور سنی شیعوں کو خارج از اسلام سمجھتے ہوں تو بھی اس قتل وقتال اور نفرت انگیزی کی گنجائش نہیں، اس موضوع پر شیعہ سنی علماء، مشائخ، عمائدین اور ارباب حکومت کو مذاکرات کرنے چاہئیں، اور غور وخوض کے بعد کوئی لائحۂ عمل مرتب کرنا چاہئے جس پر دونوں فرقے عمل پیرا ہوں اور جنگ وجدال، قتل وقتال کا ماحول ختم ہو، شیعہ سنی جنگ میں ہمارے دشمنوں کا ہی فائدہ ہے، ہمارا سراسر نقصان ہی نقصان ہے، پاکستان، عراق اور لبنان وغیرہ میں ہزاروں عوام ہی نہیں کتنے بلند پایہ علماء، مجتہدین اور دونوں فرقوں کے اہل فکر ودانش شیعہ سنی جنگ کی نذر ہو چکے ہیں اور مسلمان اپنے انتہائی بلند پایہ اہل علم ودانش سے محروم ہو چکے ہیں۔

(۲) عالم اسلام میں اصلاح پسند جماعتوں اور لیبرل جماعتوں میں جو شدید کشاکش پائی جاتی ہے اس کا بھی ہمیں کوئی قابل عمل حل تلاش کرنا ہوگا، یہ واقعہ ہے کہ ہر مسلم ملک میں مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ ہے جو مغربی تعلیم و تربیت کے اثر سے مکمل اسلام سے بہت دور ہو چکا ہے، اکثر مسلم ممالک میں مغرب کا وضع کردہ نظام تعلیم رائج ہے، مغربی مصنفین ومفکرین کے افکار ونظریات نوجوانوں کے ذہنوں پر چھائے ہوئے ہیں، پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ انہیں کا پرچار ہوتا ہے، ہمارے خوش حال گھرانوں کے لڑکے لڑکیوں کی اچھی خاصی تعداد امریکہ اور یوروپین ملکوں کے تعلیمی اداروں سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کر کے اپنے ملکوں کو لوٹتی ہے، ان کی اکثریت مغرب کے رنگ میں رنگ جاتی ہے اور اسلام سے ان کی وابستگی مردم شماری کی حد تک رہ جاتی ہے اور عام طور پر یہی طبقہ حکومت کے ایوانوں اور اونچے مناصب تک پہونچتا ہے اور حکومت کے کلیدی عہدے ان کے ہاتھ میں آتے ہیں، ایوان قانون ساز (پارلیمنٹ وغیرہ) اور عدلیہ میں اس ذہن وفکر کے لوگ بڑی تعداد میں پہونچتے ہیں اور حکومت کی پالیسیاں ان کے ہاتھوں میں ہوتی ہیں جب کہ ملک کے عوام کی اکثریت اسلام پسند ہوتی ہے اور اپنے ملک میں اسلام کا نفاذ چاہتی ہے، اسلام پسند جماعتیں نفاذ اسلام کا نعرہ لیکر اٹھتی ہیں تو عوام کی بڑی تعداد ان کے ساتھ ہوتی ہے، بعض ممالک میں انہیں آزاد الیکشن میں اکثریت بھی حاصل ہوجاتی ہے لیکن لیبرل اور سیکولر طبقہ اسلام پسندوں کی حکومت کو قبول نہیں کرتا اور مغربی ممالک بھی اسلام پسندوں کو اقتدار سے بے دخل کرنے اور لیبرل عناصر کو مسند اقتدار پر لانے کے لئے

اپنی پوری طاقت صرف کردیتے ہیں اور اس کام کے لئے دولت کے دہانے کھول دیتے ہیں، غزہ، الجزائر اور مصر میں آزادانہ انتخاب کے ذریعہ اسلام پسند جماعتیں برسر اقتدار آئیں لیکن مغربی ممالک نے انہیں قبول نہیں کیا اور ہر طرح کی دھاندلی کرا کے ایسے عناصر کو برسر اقتدار لائے جو مغرب کے پروردہ اور تیار کردہ تھے، وہ اسلام اور مسلمانوں کے وفادار نہیں بلکہ اپنے مغربی آقاؤں کے چشم وآبرو کے اشاروں پر چلنے والے ہیں۔

عالم اسلام میں اسلامیت اور مغربیت کی یہ کشمکش بڑی نقصان دہ اور ہلاکت آفریں ہے، متعدد مسلم ممالک اسی کشمکش کی نذر ہو چکے ہیں، ہمارے مغرب زدہ حکمرانوں کی ساری توانائی اپنے اسلام پسند عوام کو کچلنے میں صرف ہو رہی ہے، ان کی نگاہ میں ان کے سب سے بڑے دشمن خود ان کے عوام اور اسلام پسند سیاسی رہنما ہیں۔ ہمیں اس صورت حال کو بدلنا ہوگا، مسلمانوں کا جو طبقہ یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ اسلامی قانون اور اسلامی نظامِ حکومت قصہ پارینہ بن چکے ہیں دور حاضر میں ان کو نافذ کرنے کی کوشش خلاف زمانہ حرکت ہے اور اسلام دور حاضر کے سیاسی اور سماجی مسائل کو حل نہیں کرسکتا اس کی غلط فہمیوں اور خدشات کو دور کرنا ہوگا، اسلام کی ابدیت اور نافعیت سے ان کا اعتماد بحال کرنا ہوگا، دوسرے الفاظ میں انہیں اس ذہنی ارتداد سے نکالنا ہوگا جس کے اسیر ہو کر وہ صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں، جب تک کسی ملک میں یہ مغرب زدہ طبقہ منظم اور مؤثر رہے گا اور ملک کی آبادی کا قابل لحاظ حصہ ان کے زیر اثر رہے گا اسلام کو سیاسی اور سماجی طور پر نافذ کرنے کی کوشش کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوسکتی، اس کام کے لئے دینی حلقوں کو طویل اور منظم خاموش جدوجہد کرنی ہوگی، تعلیم گاہوں اور میڈیا پر اپنی گرفت مضبوط کرنی ہوگی اور کافی صبر وانتظار کرنا ہوگا۔

(۳) عالم اسلام کی زبوں حالی، پسماندگی اور سیاسی بے وزنی کا ایک بڑا سبب عالم اسلام کا سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں آخری درجہ کا پچھڑا پن بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے عرب ملکوں کو خاص طور سے سیال سونے (پٹرول) کی دولت سے مالا مال کیا، اگر وہ اپنی اس عظیم ثروت کا استعمال کرکے عالم اسلام کو سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں ترقی یافتہ بنانے کی کوشش کرتے اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اموال ووسائل کا استعمال مسلمانوں کو ہر میدان میں خود کفیل بنانے کے لئے کرتے تو عالم اسلام عالمی سیاست میں یوں ذلیل وخوار نہ ہوتا اور اسرائیل کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ قبلہ اول (مسجد اقصیٰ) کی بے حرمتی کرے، اسے نگل جائے اور فلسطینی مسلمانوں کو مکھی مچھر کی طرح مارے، اسرائیل کی بربریت کو برداشت کرنے پر ہم اس لئے مجبور ہیں کہ ہم سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں حد درجہ پسماندہ ہیں اور اسرائیل اس میدان میں دنیا کے چند ٹاپ کے ممالک میں ہے۔

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

جنگ عظیم اول وثانی کے بعد بہت سے غیر مسلم ممالک نے سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں انتہائی تیز رفتار ترقی کی، اس سلسلہ میں ہم خاص طور پر چین، جاپان اور ہندوستان کا نام لے سکتے ہیں، جاپان اور جرمنی نے جنگ عظیم دوم میں تباہ کن اور ذلت آمیز شکست کے بعد بھی اپنے کو سنبھالا اور اپنی جدوجہد، محنت اور منصوبہ بندی کی بدولت دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں اپنا مقام بنالیا، کاش کہ بلاد عربیہ کے مسلم ممالک نے بھی اس جانب توجہ کی ہوتی اور ہر میدان میں امریکہ اور یورپ پر منحصر رہنے کے بجائے اپنے کو خود کفیل بنانے اور اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی ہوتی تو وہ اس قدر بے سہارا اور کمزور نہ ہوتے۔

موجودہ صورت حال تو یہ ہے کہ بلاد عربیہ امریکہ اور اس کے حلیفوں کی فوجی کالونیاں بنی ہوئی ہیں اور اپنی حفاظت کے لئے بھی یہ ممالک امریکہ اور ممالک یورپ کے محتاج ہیں۔۔ان سے بہتر حالت تو غیر عرب مسلم ممالک کی ہے، ترکی ایک اقتصادی اور فوجی طاقت بن چکا ہے عالمی مسائل میں اعتماد اور آزادی کے ساتھ اپنے موقف کا اظہار کرتا ہے اور اس پر کاربند ہوتا ہے، ملیشیا اور انڈونیشیا صنعت وحرفت کے میدان میں خود کفیل بن چکے ہیں، پاکستان اپنی بہت سی کمزوریوں اور خطرات کے باوجود اپنی حفاظت کے لئے دوسروں کا محتاج نہیں ہے، ایران بھی اپنا ایک سیاسی وزن رکھتا ہے۔

عالم اسلام کے ممالک کے لئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کے تعاون سے سائنس وٹکنالوجی صنعت وحرفت کے میدانون میں تیز رفتار ترقی کریں اور اس راستہ کی رکاوٹوں کو دور کریں۔

(۴) مسلم ممالک کی تنظیم (O,I,C) ایک مدت سے قائم ہے لیکن وہ بالکل غیر مؤثر اور غیر فعال ہوچکی ہے، اب تو اس کے اجلاس اور میٹنگیں بھی کم ہوتی ہیں، مسلم ممالک کے درمیان ایسا اتحاد قائم ہونے کی بے انتہا ضرورت ہے جو امت مسلمہ کے مشترکہ مفادات کی نگرانی کرے، مسلم ممالک کے درمیان اعتماد وتعاون کی فضا پیدا کرے اور ان کے اختلافات کو حکیمانہ طور پر سلجھانے کی کوشش کرے، مسلم ممالک کے اشتراک وتعاون سے امت مسلمہ کو ہر میدان میں خود کفیل بنانے اور شاہراہ ترقی پر لانے کی کوشش کرے، غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کی مشکلات ومسائل کو بھی حل کرنے کی سعی کرے، یہ اتحاد کم از کم اس سطح پر پہونچانے کی کوشش کرے جہاں تک ممالک یورپ کا اتحاد (یورپین یونین) پہونچ چکا ہے۔ مسلم ممالک کے ایسے فعال اتحاد کے بغیر عالمی سطح پر مسلمانوں کو باوزن اور آبرومند بنانے کی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی۔

☆ ☆ ☆

مولانا محمد زین العابدین قاسمی ۞

مساجد کے طہارت خانے
اور
ہماری ذمہ داریاں

[پاکی اور صفائی اسلام کی بنیادی ہدایت ہے اور اس کے لئے ہمارے دین میں مکمل رہنمائی کا سامان موجود ہے، زیر نظر مضمون میں اس رہنمائی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور ہماری مساجد میں اس سلسلے میں جو خامیاں پائی جاتی ہیں ان کی نشاندہی بھی کی گئی ہے، فاضل مضمون نگار مولانا زین العابدین قاسمی نے بیان کی گئی باتوں کے سلسلہ میں احادیث شریفہ اور اہل علم کی عبارتوں سے دلیل پیش کی ہے، خامیوں کی اصلاح کیلئے انہوں نے جو مفید مشورے دیئے ہیں وہ خصوصی توجہ کے مستحق ہیں مساجد کے متولی اور ٹرسٹی حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اس مضمون کو پوری توجہ سے پڑھیں اور خامیوں کی اصلاح کی بھرپور کوشش کریں ——— محمد عمرین محفوظ رحمانی]

مسجدیں حیات اسلامی کا مرکز ہیں، جو مسلم معاشرے میں دینی روح کو فروغ دینے اور ان میں ملی وجود کا شعور بیدار کرنے اور ان کے شیرازے کو بکھرنے سے بچانے کا اصل ذریعہ ہیں۔ اسی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمان دنیا کے ہر خطے میں عالم اسلامی وغیر اسلامی کی تمیز کے بغیر مساجد کی تعمیر میں دوسرے نیک کاموں کی بہ نسبت بڑے زور وشور سے حصہ لینا باعث فخر سمجھتے ہیں اور اللہ کے گھر کی تعمیر میں حصہ لینا باعث فخر وسعادت ہے بھی، اس لئے دامے، درمے ہر طرح سے اس کی تعمیر وتزیین پر خرچ کرتے ہیں اور حسب ضرورت مساجد تعمیر ہوتی رہتی ہیں۔ تاہم مساجد کی تعمیر میں جو حصہ سب سے زیادہ نظر انداز ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے وہ مساجد کے طہارت خانے ہیں جو ہماری توجہ کے زیادہ مستحق ہیں۔

۞ ناظر معہد الامام ولی اللہ الدہلوی للدراسات الاسلامیہ، مدراپور، نیرل

صفائی

چند مساجد کو چھوڑ کر اکثر مساجد کے طہارت خانوں کا حال صفائی و نظافت کے اعتبار سے بڑا ہی دگر گوں ہے، بدبو اور گندگی اس قدر ہوتی ہے کہ آدمی بمشکل تمام اپنی ضرورت پوری کرسکتا ہے۔ مسجد کا یہ ایک ایسا حصہ ہے جو ہماری توجہ کا طالب ہے، مسجد کی تعمیر، ترقی و تزیین میں تو ہم آگے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں مگر بیت الخلاء و طہارت خانے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ غیر شعوری طور پر نظر انداز ہوجاتے ہیں، جہاں صفائی کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس لحاظ سے وہیں سب سے کم توجہ دی جاتی ہے۔ خاص طور پر طہارت خانوں کے لوٹے بہت زیادہ میلے ہوتے ہیں اور صفائی نہ ہونے کی وجہ سے ان کے اندر کائی اچھی خاصی جمع ہوجاتی ہے اور بعض تو جگہ جگہ سے ٹوٹے بھی ہوتے ہیں، ان لوٹوں کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ یہ کوئی بیش قیمت اثاثہ ہے جو ٹوٹ پھوٹ جانے اور بمشکل قابل استعمال ہونے کے باوجود صرف اس لئے طہارت خانوں کی زینت بنا ہوا ہے کہ آخری سانس تک پرکھوں کے اس قیمتی اثاثہ کی حفاظت ہوسکے۔

بہت سی مساجد میں صفائی کے لئے ایک آدھ شخص موجود رہتا ہے، کہیں خود مؤذن صاحب ہی اس خدمت پر مامور ہوتے ہیں، مگر ان سب کے باوجود جس طرح کی صفائی ہونی چاہئے وہ نہیں ہو پاتی اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جو لوگ مسجد کی عمومی صفائی پر مامور ہوتے ہیں وہ اندرونِ مسجد کو تو خصوصیت کے ساتھ صاف کر لیتے ہیں مگر طہارت خانوں کا حصہ، ان کی توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کرا پاتا ہے۔ بہت سے ہم جیسے مصلی، مسجد کے متولی یا کمیٹی کی لاپرواہی کا رونا رو کر اپنا دامن جھاڑ لیتے ہیں، جبکہ مسجد کی صفائی صرف انہیں حضرات کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ ہر اس مصلی کی ذمہ داری ہے جو عام طور پر اس میں نماز پنجگانہ ادا کرتا ہے۔ مسجدیں اللہ کا گھر ہیں، جو اللہ کے گھر کو پاک وصاف رکھے گا تو شہنشاہوں کا شہنشاہ اپنے گھر کی صفائی اور پاکیزگی کا خیال رکھنے والے کو کیوں کر نظر انداز کرسکتا ہے۔ اس کے علاوہ جب مسجدیں اللہ کا گھر ہیں تو وہاں آنے والے اللہ کے مہمان "ضیوف الرحمٰن" ہوتے ہیں۔ عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ **ادرکنا اصحاب النبی ﷺ وھم یقولون: ان المساجد بیوت اللہ فی الارض، وانہ لحق علی اللہ ان یکرم من زارہ فیھا**" [1] ہم نے نبیؐ کے صحابہؓ کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ مسجدیں زمین میں اللہ کا گھر ہیں اور اللہ نے اپنے اوپر لازم کیا ہے کہ وہ اس شخص کا اکرام کرے جو اس کے گھر میں آئے گا" تو اگر ہم اپنے وقت کا کچھ حصہ مسجد کی صفائی کے لئے نکالیں تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ اپنے گھر کی صفائی کرنے والوں، اور اس کے مہمانوں کے لئے سامان راحت فراہم کرنے والوں کے دلوں کی صفائی کرنے کے ساتھ ساتھ نامہ اعمال سے ان کے گناہوں کو بھی صاف فرمادے گا۔

---

[1] شعب الایمان، ابوبکر بیہقی، باب فضل المشي إلى المسجد۔ حدیث نمبر: ۲۶۸۲ (مکتبہ الرشد ریاض) ج ۴ ص ۳۵۴۔

ستر پوشی

اسلام نے ستر پوشی اور پردہ کے مسئلہ کو خاص اہمیت دی ہے؛ کیوں کہ انسان کی یہ ایسی خصوصیت ہے جو اسے حیوانوں سے ممتاز کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جس طرح زندگی کے اور شعبوں کی رہنمائی کی ہے، اسی طرح اس باب میں بھی خاص ہدایات دی ہیں، یہاں پر ہم ستر پوشی اور پردے سے متعلق دئے گئے تمام احکام و ہدایات پر گفتگو نہیں کریں گے بلکہ صرف ان ضروری امور پر روشنی ڈالیں گے جو ستر پوشی اور پردے کے تئیں طہارت واستنجاء کے باب میں مذکور ہیں اور ہم سے سرزد ہونے والی کوتاہیوں کو دور کرنے میں مددگار ثابت ہوسکتی ہیں اور جس سے ہمارے سامنے صورت مسئلہ واضح ہوجائے گی اور عمل کرنا سہل ہوگا۔

رفع حاجت اور استنجاء کے دوران ستر پوشی کا مکمل خیال رکھنا ضروری ہے مگر ہماری اکثر مساجد کے طہارت خانے اس انداز سے بنے ہوئے ہوتے ہیں کہ جس سے مکمل طور پر ستر پوشی نہیں ہو پاتی ہے اور بعض حضرات تو بلا جھجک پتلون اتار کر پیچھے انتظار میں کھڑے لوگوں کی موجودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے اور بے حیائی و بے شرمی کے ساتھ استنجاء سے فارغ ہوتے ہیں۔ یہ ایک بالکل غیر اسلامی وغیر مہذب اور بے حیائی و بے شرمی والا عمل ہے۔

اس باب میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول وعمل سے خصوصی ہدایات دی ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا "**یا علی لا تبرز فخذک ولا تنظرن الی فخذحیّ ولا میت**" [۱] اے علی اپنی ران نہ کھولنا! اور نہ کسی زندہ یا مردہ آدمی کی ران کی طرف نظر کرنا۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جسم کے وہ حصہ جن کو شریعت نے چھپانا ضروری قرار دیا ہے (ناف سے لیکر گھٹنوں تک) ان کی طرف نظر کرنا ہم جنسوں (same gender) کے لئے بھی جائز نہیں، حتی کہ مردہ انسان کے بھی ان حصوں پر نظر ڈالنا ناجائز ہے۔ ایک اور حدیث میں حضرت جرید بن خویلد سے آپ نے فرمایا: "**اما علمت ان الفخذ عورۃ**" کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ ران بھی ستر میں شامل ہے۔ یعنی ران کا کھولنا جائز نہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ پردہ اور ستر پوشی کے حوالے سے بہت زیادہ احتیاط فرماتے تھے اور کیوں نہ فرماتے آپؐ تو شرم وحیاء، عفت و پاکدامنی کے سرتاج تھے، یہی وجہ ہے جب آپؐ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو اپنا کپڑا اس وقت اٹھاتے جب آپؐ زمین سے بہت زیادہ قریب ہوجاتے۔ حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ "**کان رسول اللہ ﷺ اذا ارادالحاجۃ لا یرفع ثوبہ حتی یدنو من الارض**" [۲] اس حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپؐ رفع حاجت کے وقت ستر پوشی کا پورا خیال فرماتے تھے اور کپڑا اس وقت اٹھاتے جب آپؐ زمین کے

---

[۱] سلیمان بن اشعث سجستانی، باب فی ستر المیت عند غسلہ حدیث نمبر: ۳۱۴۰، (دار ابن حزم) ج ۳، ص ۳۲۷۔

[۲] ابوداود شریف، باب کیف التکشف عند الحاجۃ حدیث نمبر: ۱۴ ج ۱ ص ۲۲

بالکل قریب ہوجاتے، یہیں پر بس نہیں بلکہ آپؐ جب قضائے حاجت کے لئے جاتے تو آپؐ کی کوشش یہ ہوتی کہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوجائیں، اس لئے آپؐ دور تک چلے جاتے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ **"کنتُ مع النبی ﷺ فی سفر، فاتی النبی حاجته فابعد فی المذهب"** ۱؎ میں ایک سفر میں آپؐ کے ساتھ تھا آپؐ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو آپؐ کافی دور تک نکل گئے تا کہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوجائیں اور قضائے حاجت کے وقت پردہ بھی ہوسکے اور اطمینان کے ساتھ حاجت بھی پوری ہو۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے **"عن جابر قال: کان النبی ﷺ اذا اراد البراز انطلق حتی لا یراه أحد"** ۲؎ جب آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو اتنی دور تک نکل جاتے کہ کسی کی نظر آپؐ پر نہ پڑے''۔

ایک اور حدیث میں ہے **"انه کان یرتاد لبوله مکانا کما یرتاد منزلا"** آپ ﷺ پیشاب کرنے کے لئے مناسب جگہ تلاش کیا کرتے جس طرح سفر میں ٹھہرنے کے لئے مناسب جگہ کا انتخاب فرماتے تھے۔ یعنی آپؐ ایسی جگہ منتخب فرماتے تھے جہاں بے پردگی نہ ہو، زمین نرم ہوتا کہ چھینٹیں نہ پڑیں، اور اگر کوئی نرم جگہ نہ ملتی تو آپ ﷺ لکڑی وغیرہ سے کھود کر زمین نرم کرتے پھر پیشاب سے فارغ ہوتے۔ اور رفع حاجت کے لئے آپؐ اس طرح مناسب جگہ تلاش کرتے جس طرح ایک مسافر گرمیوں میں سایہ دار جگہ اور سردیوں میں دھوپ والی جگہ تلاش کرتا ہے۔

آپؐ کا مناسب جگہ کو تلاش کرنا اس بات کی طرف صریح اشارہ کرتا ہے کہ استنجاء اور قضائے حاجت کی جگہ ایسی ہو کہ وہاں بے پردگی نہ ہو اور مکمل ستر پوشی ہوسکتی ہو۔ اس عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کس قدر انسانوں میں حیا اور ستر پوشی کو پروان چڑھانا چاہتا ہے تا کہ معاشرے میں بے حیائی و بے شرمی کو بالکل فروغ نہ ملے اور یہ بات اٹل ہے کہ ہر انسان میں اللہ نے شرم وحیا کا مادہ رکھا ہے جو ایک فطری اور بنیادی وصف ہے، حیاء کا مطلب صرف یہ نہیں کہ آدمی شرمناک باتیں اور شرمناک کام کرنے سے بچے بلکہ بقول حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ:

> ''قرآن مجید کے استعمالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حیاء طبیعت انسانی کی اس کیفیت کا نام ہے کہ ہر نامناسب بات اور ہر ناپسندیدہ کام سے اس کو انقباض اور اس کے ارتکاب سے اذیت ہو''۔ ۳؎

اس قسم کے تمام احکامات اور ہدایات سے اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان کی سیرت سازی ہو، اس

۱؎ ترمذی شریف، ابوعیسی محمد بن عیسی ترمذی [illegible] حدیث نمبر: ۲۰ (مکتبہ مصطفی بابی حلبی مصر) ج ۱ ص ۳۲۔

۲؎ ابوداود شریف، باب التخلي عند قضاء الحاجة حدیث نمبر: ۲، ج ۱ ص ۱۷

۳؎ معارف الحدیث، (الفرقان بکڈپو لکھنو) ج ۲، ص ۲۸۶۔

کے اندر کا جو شہوانی اور حیوانی جذبہ ہے اس پر بند لگے اور وہ اپنے حدود میں رہے اور بے شرمی و بے حیائی سے معاشرہ محفوظ رہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سلسلہ میں شریعت نے جو اصول وآداب بتائے ہیں ان پر سختی سے عمل کیا جائے تاکہ ایک غیر اسلامی وغیر مہذب عمل کی ہمارے معاشرے میں طرح نہ پڑے جس کی شریعت اسلامی اجازت دیتی اور نہ عقل اس کو جائز سمجھتی ہے۔

ایک اور بات طہارت خانوں کے حوالے سے یہاں برمحل معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ ہماری مساجد کے طہارت خانوں میں انتظار کرنے کا جو طریقہ ہے وہ بھی قابل اصلاح ہے، کیوں کہ انتظار کرنے والے حضرات بالکل سر پر سوار رہتے ہیں، اور طہارت خانوں میں دروازے نہ ہونے کی وجہ سے بے پردگی کا خطرہ رہتا ہے اور فارغ ہونے والے انسان پر بھی پیچھے کھڑے منتظر افراد کا دباؤ رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ آرام سے فارغ بھی نہیں ہو پاتا۔ لہٰذا ایسی ترکیب اور طریقے اختیار کئے جانے کی ضرورت ہے جس سے اس حوالے سے احتیاط برتی جاسکتی ہو، مثلاً لائن کی شکل میں طہارت خانوں میں بالکل سر پر سوار ہوکر نہ ٹھہرا جائے بلکہ منتظرین باہر کھڑے ہوں، اور اس طرح کی کوئی شکل نکالی جاسکتی ہے جو مسجد کی ضرورت ووسعت کے لحاظ سے مناسب ہو۔

کھڑے ہوکر پیشاب کرنا۔

یہاں ایک اور ضروری امر کی طرف توجہ مبذول کرانا بے محل نہ ہوگا وہ یہ کہ مساجد کے طہارت خانوں میں جب ہم فارغ ہونے جاتے ہیں، تو وہاں کی ہر چیز، نل، لوٹے سے لے کر اس کی دیواریں تک مشکوک نظر آتی ہیں، وہ اس خیال سے کہ کہیں کوئی صاحب طہارت خانہ کی تنگی کی وجہ سے یا تقلید فرنگی میں یا پھر آداب طہارت واستنجاء سے ناواقفیت کے سبب کھڑے کھڑے ہی شغل نہ فرما گئے ہوں، جب کہ شریعت اسلامیہ نے اس سلسلہ میں واضح احکامات دیئے ہیں، کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی ممانعت احادیث نبویہ میں خصوصی طور پر وارد ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان من الجفاء ان تبول و انت قائم" [۱] کھڑے ہوکر پیشاب کرنا گنوارپن کی دلیل ہے۔ اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بیٹھ کر پیشاب کرنے کا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "من حدثکم ان النبی کان یبول قائما فلاتصدقوہ ، ما کان یبول الا قاعدا" [۲] آپؐ بیٹھ کر پیشاب کیا کرتے تھے ، اگر کوئی کہے کہ آپؐ کھڑے ہوکر پیشاب کیا کرتے تھے تو اس کی تصدیق نہ کرو۔ ہاں اگر کسی کو عذر ہے تو پھر کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مکروہ نہیں ہے، خود آپؐ نے بھی ایک موقع پر گھٹنوں کی تکلیف کی وجہ سے کھڑے ہوکر پیشاب کیا تھا "اتی النبی سباطة قوم فبال قائما" (صحیح البخاری ا۔ ۳۷۴) مزید یہ کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے

---

[۱] سنن ترمذی، باب النھی عن البول قائما، حدیث نمبر ۱۲ ج ۱ ص ۱۷۔ [۲] ایضاً

چھینٹوں کے اڑنے کا بہت اندیشہ ہوتا ہے، اور حدیث میں پیشاب سے بچنے کی بہت تاکید آئی ہے۔ حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "إن عامة عذاب القبر من البول فتنزهوا عنه" [1]۔ قبر کا عام عذاب پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے لہذا پیشاب سے بچو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ کا ایک مرتبہ دو قبروں پر گزر ہوا تو آپؐ نے فرمایا ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ عذاب کسی ایسی چیز کی وجہ سے نہیں ہو رہا ہے جس سے بچنا مشکل تھا، بلکہ بآسانی اس سے بچا جا سکتا تھا "اما هذا فكان لا يستتر من بوله، اما هذا فكان يمشي بالنميمة" ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا۔ (ترمذی۔ باب التشديد في البول)

اور ماقبل میں ذکر کی گئی حدیث جس میں یہ بات گزر چکی ہے "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرم جگہ تلاش کرتے اور اگر جگہ سخت ہو تو لکڑی یا کسی اور چیز سے اس کو نرم کرتے تاکہ پیشاب کے چھینٹیں کپڑے اور بدن پر اڑنے نہ پائیں۔ یہ احتیاط کا ایک طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بتلایا، جس سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے، کہ ہم جہاں کہیں بھی پیشاب کریں، تو وہاں پر ایسی کوئی تدبیر اختیار کی جائے جس سے کہ پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے میں مدد مل سکے، اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں یہ احتیاط بالکل نہیں ہو پاتی ہے اور دوسری چیز یہ کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی وجہ سے جو چھینٹیں اڑتی ہیں وہ سارے طہارت خانہ میں پھیلتی ہیں تو کوئی چیز بھی ان کے زد سے محفوظ نہیں رہتی ہے، اور بعد میں دوسرے آنے والے حضرات کے لئے باعثِ تکلیف ہوتی ہے اور ان کے کپڑوں کے نجس ہونے کا باعث بھی بن سکتی ہے، اس لئے ہر طریقہ سے اس عادت اور طبیعت کی ہمت شکنی کی اشد ضرورت ہے۔ علماء وخطباء کے ذریعے اس طرف توجہ دلائی جائے اور طہارت خانوں کے باہر باب الداخلہ اور طہارت خانوں کے اندر کوئی مناسب جگہ پر ہدایات چسپاں کی جائیں تاکہ لوگوں کے اندر اس حوالے سے بیداری اور شعور پیدا ہو۔ [2]

---

[1] معجم کبیر، ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی، باب مجاهد عن ابن عباس حدیث نمبر ۱۱۱۰۴ (مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ) ج ۱۱، ص ۷۹۔

[2] "چغل خوری اور پیشاب سے احتیاط نہ کرنے والوں کو آخرت کے بجائے برزخ (قبر) میں عذاب دئے جانے کی حکمت پر حافظ ابن حجرؒ نے اس انداز میں روشنی ڈالی ہے کہ ابدی بعضهم للجمع بين هاتين الخصلتين مناسبة وهي ان البرزخ مقدمة للآخرة واول مايقتضى به يوم القيامة من حقوق الله تعالى الصلوة ومن حقوق العباد الدماء بالنميمة ينشر الفتن التى بسببها الدماء "عالم برزخ عالم آخرت کا مقدمہ ہے جو کہ آخرت کی پہلی منزل ہے۔ اور آخرت میں حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کا اور حقوق العباد میں کسی کا ناحق خون بہانے کا حساب ہوگا، اور پاکی کا حصول نماز کی کنجی ہے (مفتاح الصلوة الطهور) اور پاکی کے بغیر نماز نہیں ہوتی تو تطہیر نماز کا مقدمہ ہے۔ اور ناحق خون بہانے کا سبب عام طور پر لوگوں کے درمیان چغلی اور غیبت ہوتا ہے (تو غیبت اور چغل خوری ناحق خون بہانے کا مقدمہ) اس مناسبت سے قبر (عالم برزخ) میں دونوں چیزوں سے نہ بچنے پر عذاب ہوتا ہے، (فتح الباری، ابن حجرؒ، (بیروت دار المعرفہ)، ۱۰/ ۴۷۲) فتاوی رحیمیہ، مفتی عبدالرحیم لاجپوری، (دار الاشاعت کراچی)، ج 1، ص ۵۸)۔

استبراء

طہارت خانوں کی صفائی کی جب ہم بات کر رہے ہیں تو کپڑے اور جسم کی طہارت کے حوالے سے ایک بہت ہی ضروری مسئلہ کی طرف یہاں اشارہ کرنا مقصود ہے جس کو عام طور پر لوگ نظر انداز کرتے ہیں، جس سے نہ ان کا وضو درست ہوتا ہے اور نہ ان کی نماز، نا معلوم کتنے ایسے لوگ ہیں جنہیں اس مسئلہ کا علم نہ ہونے کی وجہ سے اپنی نمازوں کو ادا کرنے کے باوجود طہارت و پاکیزگی کے معیار پر پوری نہ اترنے کی بناء پر ان کی نمازیں عنداللہ غیر مقبول ہو جاتی ہوں گی۔

اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ پیشاب کرنے کے بعد فوراً پانی استعمال کر کے اٹھ جاتے ہیں فراغت کے بعد کچھ دیر انتظار نہیں کرتے تا کہ پیشاب کی نالی میں جو قطرات اکثر و بیشتر رکے رہتے ہیں، ان کا خروج ہو جائے، جو کچھ دیر بعد کھانسنے یا پیروں کو حرکت دینے یا کچھ قدم چلنے سے نکل آتے ہیں، جس سے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں، اگر وضو کر لیا ہو تو وہ بھی ٹوٹ جاتا ہے اور نماز نہیں ہوتی۔ اس مسئلہ کو شریعت کی اصطلاح میں "الاستبراء من البول" کہتے ہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ استنجاء کے وقت پیشاب کے جو قطرات نالی میں رکے ہوئے محسوس ہوتے ہیں، ان کے نکالنے کی تدبیر کرنے کو "الاستبراء" کہتے ہیں، ضروری نہیں ہے کہ ہر انسان کو یہ حالت پیش آتی ہو کیونکہ یہ چیز مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے [۱] اسی طرح نالی میں رکے ہوئے قطرات کو نکالنے کا طریقہ ہر آدمی کے اپنے مزاج اور تجربہ کے لحاظ سے مختلف ہو سکتا ہے؛ مثلاً کھانسنا، کھنکھارنا، چند قدم چلنا، ایک پاؤں کا دوسرے پاؤں پر رکھنا تا کہ نالی پر دباؤ پڑے، جس سے قطرات باہر نکل آئیں کھنکھارنے اور کھانسنے سے قطرات کے نکلنے کا سبب علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ "**لأن العروق ممتدة من الحلق الى الذكر و بالتنحنح تتحرك، وتقذف ما في مجرى البول**" [۲] رگوں کا تعلق حلق سے لیکر ذکر (عضو تناسل) تک جڑا ہوا ہوتا ہے، کھانسنے سے ان پر دباؤ پڑتا ہے جس سے پیشاب کی نالی میں رُکے ہوئے قطروں کے نکلنے میں مدد ملتی ہے، یہ اور اس طرح کی کچھ اور صورتیں اختیار کی جا سکتی ہیں تا کہ مقصود کا حصول یعنی قطرات کا خروج ہو سکے۔

فقہاء نے استبراء کے مسئلہ پر جو زور دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی انسان کو قطرہ آ گیا تو اس کا کپڑا ناپاک ہو جائے گا اور اگر وضو کر لیا تو وہ بھی جاتا رہتا ہے۔ فتاویٰ عثمانی میں پیشاب کے قطرے سکھانے

---

[۱] قاموس الفقہ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، (مکتبہ نعیمیہ دیوبند) ج ۲، ص ۸۸۔

[۲] حاشیہ ابن عابدین، محمد امین بن عمر دمشقی، فروع فی الاستبرا، (طباعت ثانی دار الفکر بیروت) ج ۱ ص ۳۴۵۔

کے بعد قطروں کے نکل جانے کی وجہ سے وضو اور کپڑے کی پاکی وناپاکی کے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں، حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم رقم طراز ہیں:

"صورتِ مسئولہ میں جب قطرہ آئے تو کپڑا پاک کرکے وضو دوبارہ کیا جائے" ۱

فتاویٰ محمودیہ میں اسی طرح کے سوال کے جواب میں حضرت مفتی محمود صاحبؒ لکھتے ہیں:

"اگر یہ شخص معذور نہیں ہے تو قطرہ آنے سے وضو اور نماز دونوں ٹوٹ جائیں گے، جب قطرہ آئے (نماز میں) تو فوراً نیت توڑ دے اور یہ اس وقت ہے کہ قطرہ کا آنا یقین سے معلوم ہوجائے اور محض شبہ سے کچھ نہیں ہوتا، نہ نماز ٹوٹتی ہے نہ وضو، اور شبہ کا علاج یہ ہے کہ وضو کے بعد رومالی پر پانی کا چھینٹا دے لیا کریں ،لیکن اتنا خیال رہے کہ اگر قطرہ آیا تو نماز اور وضو ٹوٹنے کے علاوہ رومالی بھی ناپاک ہوجائے گی" ۲

مذکورہ بالا دو فتوؤں سے پتہ چلتا ہے کہ قطرے کے آنے کی وجہ سے کپڑا ناپاک ہوجائے گا اور وضو بھی ٹوٹ جائے گا حتی کہ نماز کی حالت میں ہو تو نماز ٹوٹ جائے گی، اگر قطرے کا آنا یقینی ہو مسئلہ کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے بعض حضرات نے استبراء کو واجب قرار دیا ہے اور بعض نے فرض، **و بعضهم عبّر بأنه فرض** ۳ بعض فقہاء تو وضو شروع کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتے یہاں تک کہ اس شخص کو قطروں کے نکلنے کا مکمل اطمنان ہوجائے "**فلا يصح له الشروع في الوضوء حتى يطمأن**" ۴ مگر یہ حکم ان حضرات کے لئے ہے جنہیں پیشاب رکا ہو محسوس ہوتا ہو، ورنہ قطرات کے نکل جانے کا مکمل اطمینان ہو تو پھر استبراء مستحب ہوگا "**وعليه فهو مندوب۔۔۔ومحله اذا أمن خروج شئي بعده**۔" ۵

استبراء بول کے حوالے سے یہاں پر ایک ضروری بات کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے وہ یہ کہ اوپر استبراء کے متعلق جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ ان لوگوں کے لئے ہے جنہیں قطرات کا آنا ضعف مثانہ کی وجہ سے نہ ہو کیونکہ جن حضرات کو ضعفِ مثانہ کی وجہ سے قطرات آتے ہیں ان حضرات کے لئے کھانسنا، قدم پر قدم رکھنا، یا پیشاب کی نالی کو سونتنا، سب بے سود ہے، ان حضرات کو تو پیشاب کی فراغت کے بعد بھی کافی دیر تک قطروں کے آنے کی شکایت رہتی ہے جو علاج معالجے سے دور ہوسکتی ہے، احسن الفتاوی میں مفتی عبدالرشید صاحبؒ رقمطراز ہیں:

"استبراء کے معہود طریقے کی علت ضعف مثانہ نہیں ہے...... ،ضعف مثانہ کی وجہ سے جو عارضہ لاحق ہوتا ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ (عام حالت میں بھی) کھانسنے، چھینکنے، اور کودنے وغیرہ سے قطرہ خارج ہوتا ہے اور جسے یہ مرض لاحق ہوتا ہے

---

۱ (مکتبہ معارف القرآن کراچی)، اج 1،ص ۳۳۳۔ ۲ (فتاویٰ محمودیہ ج ۵ ص ۲۲۰)

۳ حاشیہ ابنِ عابدین، جلد ا ص ۲۴۴۔ ۴ حاشیہ ابنِ عابدین، جلد ا ص ۳۴۴۔

۵ حاشیہ ابنِ عابدین، جلد ا ص ۳۴۴۔

اسے استبراء کا مذکورہ معہود طریقہ بھی کوئی فائدہ نہیں دیتا، پیشاب کے بعد رطوبت نظر آنے کا باعث ضعف مثانہ نہیں بلکہ پیشاب کی نالی کا طول اور اس میں پیچ وخم اسکا باعث بنتے ہیں"، (۲/ ۱۰۴)۔

استبراء کے متعلق مذکورہ بالا بنیادی فرق کو جاننے کے لئے ہم نے چھوٹے پیمانے پر ایک سروے (survey) کیا ہے جسمیں ہم نے تقریباً ۱۳۰ افراد سے ان کے تجربات کے بارے میں دریافت کیا؛ جن کی عمریں تقریباً ۲۳ سال سے ۳۵ سال کے درمیان تھیں، ان حضرات کے جوابات کے خلاصہ کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(۱) استبراء کے عمل سے بالکل ناواقف تھے، جب انھیں اس مسئلہ کے متعلق بتلایا گیا تو ان میں سے بعض حضرات نے ایک اور بعض نے دو دن کے تجربے کے بعد یہ بات بتائی کہ ہمیں استبراء کی ضرورت پڑتی ہے اور قطرے فراغت کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔

(۲) وہ حضرات جو استبراء کے عمل سے واقف تھے مگر استبراء ان کے لئے ناکافی تھا، پیشاب سے فراغت کے بعد انہیں قطرے آتے رہتے ہیں، ۱۵ سے ۳۰ منٹ انہیں نتظار کرنا پڑتا ہے اور یہ حضرات اس کا علاج بھی کروا رہے ہیں۔

(۳) وہ لوگ جو استبراء سے واقف تھے دو دن کے تجربے کے بعد ان کا کہنا یہ تھا کہ: پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد نالی میں رکے ہوئے قطروں کو نکالنے کے لئے ان میں سے بعض کو چلنا کھانسنا، قدم پر قدم رکھنا یا پیشاب کی رگ کو سونتنا پڑتا ہے تب جا کر انہیں اطمینان ہوتا ہے۔

ہم نے اس مضمون میں جو گفتگو کی ہے وہ پہلی اور تیسری قسم کے حضرات سے متعلق ہے، عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ طہارت خانوں میں استنجاء سے فارغ ہونے والے حضرات اکثر وبیشتر استبراء نہیں کرتے، پیشاب کرنے کے بعد پانی کا استعمال کر کے فوراً اٹھ جاتے ہیں۔ تیسری قسم کے حضرات کو جو قطرات اٹکے ہوئے محسوس ہوتے ہیں وہ کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوتے، در اصل پیشاب کی نالی (urethra) اس کا اصل سبب ہوتی ہے جو نہ صرف لمبی ہوتی ہے بلکہ سیدھی ہونے کے بجائے انگریزی حرف (s) کی طرح ٹیڑھی ہوتی ہے اور مردوں میں یہ نالی (urethra) ۸ انچ (۲۰ سینٹی میٹر) کی ہوتی ہے جس کی وجہ سے پیشاب سے فراغت کے بعد چند قطرے نالی میں رہ جاتے ہیں جو استبراء کے ذریعہ نکل آتے ہیں، جبکہ عورتوں میں ۳ سے ۵ سینٹی میٹر (۱/ تا دو انچ) لمبی نالی ہوتی ہے، اس لئے فقہاء نے عورتوں کے لئے اس حوالے سے جو حکم بیان کیا ہے وہ مردوں سے مختلف ہے وہ یہ ہے کہ" **فانه لا استبراء علیها بل کما فرغت من البول و الغائط تصبر ساعة لطیفة**"[۱] پیشاب وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد عورت

کچھ دیر انتظار کرے اور پھر پانی سے استنجاء کرے، مردوں کی طرح اسے استبراء کی ضرورت نہیں ہے فقہاء نے مرد اور عورت کے درمیان جو فرق کیا ہے اس سے یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ ان حضرات کی نظر کتنی گہری تھی ،اپنے اجتہادات میں قرآن وسنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کے ساتھ ساتھ مرد اور عورت کے الگ الگ فطری تقاضوں اور جسمانی وذہنی فرق اور دیگر چیزوں پر بھی گہری نگاہ رکھتے تھے تاکہ امت کو حرج میں مبتلا ہونے سے بچایا جاسکے، مذکورہ مسئلہ اس کی واضح دلیل ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ استبراء بہت ضروری ہے، خاص طور پر ان حضرات کے لئے جنہیں مثانے کی کمزوری کی شکایت ہے اور عمومی طور پر کسی کو یہ شکایت نہ بھی ہو تب بھی جلدی نہ کرے، فارغ ہوکر کچھ دیر انتظار کرے حتیٰ کہ اطمینان قلب حاصل ہوجائے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ طہارت وپاکیزگی کے ذریعہ ہم جہاں اپنی جسمانی نجاست کو دور کرتے ہیں؛ وہیں لطیف روحانی احساسات کو بھی حاصل کرتے ہیں اور بارگاہِ رب العزت میں نماز کے ذریعہ اپنی بندگی وعبودیت کا نذرانہ پیش کرتے ہیں اور جب کوئی نذرانہ پیش کیا جاتا ہے؛ تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ عمدہ سے عمدہ ہوتا کہ جس کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے اسے پسند آئے، قیمتی نہ صحیح مگر گندگی سے پاک صاف، ٹوٹا پھوٹا، پھٹا پرانا نہ ہو، اسی طرح جب ہم نماز کا نذرانہ بارگاہِ رب العزت میں پیش کریں تو اس کو بھی اس کے شایانِ شان ہونا چاہئے۔

اس بات کو بڑے عمدہ اسلوب میں امام ابن القیمؒ نے اپنی کتاب ''مدارج السالکین'' میں اس طرح بیان کیا ہے:

''الصَّلَاةُ كَجَارِيَةٍ تُهْدَى إِلَى مَلِكٍ مِنَ الْمُلُوكِ، فَمَا الظَّنُّ بِمَنْ يَهْدِي إِلَيْهِ جَارِيَةً شَلَّاءَ، أَوْ عَوْرَاءَ، أَوْ عَمْيَاءَ، أَوْ مَقْطُوعَةَ الْيَدِ وَالرِّجْلِ، أَوْ مَرِيضَةً، أَوْ دَمِيمَةً، أَوْ قَبِيحَةً، حَتَّى يُهْدِيَ إِلَيْهِ جَارِيَةً مَيِّتَةً بِلَا رُوحٍ وَجَارِيَةً قَبِيحَةً، فَكَيْفَ بِالصَّلَاةِ الَّتِي يُهْدِيهَا الْعَبْدُ، وَيَتَقَرَّبُ بِهَا إِلَى رَبِّهِ تَعَالَى؟ وَاللهُ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا، وَلَيْسَ مِنَ الْعَمَلِ الطَّيِّبِ صَلَاةٌ لَا رُوحَ فِيهَا''

نماز کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی باندی بطور تحفہ کسی بادشاہ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، تو جو شخص بادشاہ کی خدمت میں کوئی مفلوج، کانی یا اندھی باندی پیش کرے گا، یا بیمار، بدشکل بے جان اور ہاتھ پیر کٹی ہوئی باندی لے کر حاضر ہوگا اس کا کیا حال ہوگا؟ ٹھیک یہی حال ہے اس نماز کا جو بندہ اپنے رب کی خدمت میں پیش کرتا ہے، اور اس کے ذریعہ اس کا قرب حاصل کرتا ہے۔اللہ کی ذات نفیس ہے، وہ نفیس اور بے لوث عمل ہی قبول کرتا ہے''۔

لہ Human Anatomy,Martini, Timeous and Tallish(Person education, Inc.P:70

مسجد اللہ کا پاک وصاف گھر ہے، انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جسمانی وروحانی تمام گندگیوں سے اپنے آپ کو پاک کرکے اس مرکز طہارت وتزکیہ کا رخ کرے تاکہ اس کے انوار اور برکات سے مستفید ہو اور روحانیت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچ پائے۔ اس کے لئے شریعت نے مسجد میں داخلے کے لئے بہت ساری شرطیں اور آداب بیان کئے ہیں، انہیں میں سے بدن اور کپڑوں کی پاکی بھی ہے۔ اگر ان میں کوئی نقص رہ جاتا ہے تو پھر نہ وضو صحیح ہوگا اور نہ نماز، اس لئے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ کئی مرتبہ غیر شعوری یا لاعلمی میں ایسی غلطیاں ہم سے ہوجاتی ہیں جن سے نہ ہماری عبادت صحیح ہوتی ہے اور نہ ہم مسجد کے انوار وبرکات سے حقیقی طور پر استفادہ کرسکتے ہیں۔

مختصر یہ کہ مرد کے پیشاب کی نالی (urethra) چونکہ ٹیڑھی ہوتی ہے، پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد اس نالی سے پیشاب کو نکالنے کے لئے کوشش کرنی پڑتی ہے۔ جیسے کھانسنا، یا چند قدم چلنا یا اس قسم کی کوئی اور تدبیر کرنی پڑتی ہے، اپنے اِس مضمون میں اس موضوع کا تذکرہ دراصل اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ یہ چیز ہمارے مساجد کے موجودہ طہارت خانوں میں بڑی حد تک آسان نہیں ہے، عمر رسیدہ اور بھاری جسم والے حضرات اور خصوصا چست پتلون پہننے والے بھائیوں کے لئے۔ اور دوسری بات کوئی شخص اگر استبراء کرنا چاہتا ہے تو باہر انتظار میں کھڑی قطار کے لحاظ میں یا لوگوں کے سامنے ایک "عجوبہ" بن جانے کے خوف سے ہمت نہیں کرپاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں عام طور پر اس کا رواج نہیں ہے، تو بہت سارے لوگ ناواقفیت کی وجہ سے مذاق بنالیتے ہیں (اگرچہ اس ڈر سے استبراء کو چھوڑنا کوئی عذر نہیں ہے) استبراء کے مسئلہ میں بنگلہ دیش، بنگال اور آسام کے لوگ بڑے حساس اور دلیر واقع ہوئے ہیں وہ چاہے دنیا کے کسی ملک میں رہیں، طہارت خانے چاہے کتنے تنگ رہیں، وہ استبراء ضرور کرتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ یہ حضرات "فیه رجال یحبون أن یتطهروا والله یحب المطهرین" کے اس زمانہ میں مصداق ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

اسی لئے عرض یہ ہے کہ طہارت خانوں کی بناوٹ اور صفائی پر توجہ بہت ضروری ہے۔ اس حوالے سے ایک مشورہ یہ ہے کہ موجودہ طرز کے طہارت خانوں کے استعمال کو بالکلیہ ترک کیا جائے اور صرف بیت الخلاء ہی بنائیں جائیں جس میں ایک عدد مغربی طرز کا کموڈ بھی لگایا جائے تاکہ معذور حضرات کے لئے آسانی ہو۔ اگر یہ چیز عملی طور پر کسی وجہ سے ممکن نہ ہو تو کم از کم طہارت خانوں کو ذرا وسعت دی جائے اور ان پر قدِ آدم نہ سہی سینے تک اونچائی والے دروازے لگائے جائیں (بعض شہروں کی مساجد میں اس طرح کے طہارت خانے موجود ہیں) تاکہ بے ستری اور بے پردگی نہ ہو اور استبراء بھی آسانی سے ہوسکے۔ مزید یہ کہ طہارت خانے کی نالیوں کو کھلا رکھنے کے بجائے بالکل بند کردیا جائے تاکہ نالیوں میں جمع ہونے والے

پیشاب کی بدبو سے نجات مل سکے اور نل اور لوٹے کے لئے ایسی جگہ اختیار کی جائے جہاں سے ان تک رسائی بھی آسان ہو، اور وہ پیشاب کے چھینٹوں سے بھی محفوظ رہیں، اور استنجاء کرنے والوں کے کپڑے گیلے بھی نہ ہوتے ہوں۔ مزید یہ کہ طہارت خانوں میں جو غیر ضروری چپل پڑی رہتی ہے ان کی جگہ بقدر ضرورت ،طہارت خانوں کے لئے خاص، نشان زدہ چپل رکھے جائیں، جو نہ لکڑی کے بنے ہوئے ہوں اور نہ اتنے چھوٹے اور تنگ ہوں کہ اس میں پیر بمشکل داخل ہو سکے جن کو پہن کر استنجاء کرنا تو دور، دو قدم چلنا بھی پل صراط پر سے گذرنے کی ٹریننگ معلوم ہو اور یہ گمان ہونے لگے کہ شاید مسجد کی کمیٹی نے، نماز میں کم اور طہارت خانوں میں زیادہ حاضری دینے والوں کی ہمت شکنی کے لئے یہ حکمتِ عملی اختیار کی ہو ۔

☆☆☆

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

۸۳ سالوں سے شائع ہونے والا یہ رسالہ، صرف ایک رسالہ نہیں بلکہ یہ ایک مکتبہ فکر ہے۔

یہ ایک تحریک ہے، یہ دین کی بنیادی دعوت کا ترجمان ہے۔

حق گوئی کے سلسلے میں جرأت و بے باکی اِس کی پہچان ہے۔

غیرت وحمیّت، نیز مومنانہ بصیرت کا علمبردار ہے۔ قدیم صالح، جدید نافع کا حسین امتزاج ہے۔

سالہا سال سے لگاتار آج تک یہ امت کی رہنمائی کے فرائض انجام دے رہا ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ

زیادہ سے زیادہ لوگ اِس سے فائدہ اُٹھائیں، تو آپ بھی اِس کارِ خیر میں ہمارے ساتھ شامل ہو کر ہمارا تعاون کریں،

- سالانہ خریدار بنیں۔
- اپنے کسی دوست، رشتہ دار یا اپنے محلہ کی مسجد کے لئے اپنی طرف سے رسالہ جاری کروائیں۔
- اپنے یا اپنے سے متعلق کسی شخص کے حلال کاروبار وغیرہ کا اشتہار رسالہ میں شائع کروائیں۔

ہم سے رابطہ کریں:

دفتر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، 114/31، نظیر آباد لکھنؤ، فون 0552-4079758

Email: monthlyalfurqanlko@gmail.com

پیشکش: محمد عمرین محفوظ رحمانی

بدلے ہوئے حالات میں مسلمانانِ ہند کے لئے واضح لائحۂ عمل

بی جے پی کا اقتدار قائم ہوتے ہی فطری طور پر مسلمانوں کو تشویش ہوئی اور فکر مند حضرات کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہونا شروع ہوا کہ ان بدلے ہوئے حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے کئی مقامات پر جلسے بھی ہوئے اور ملک کے کئی اہم مجلّات نے خاص نمبر بھی شائع کئے، شائع ہونے والے ان خاص نمبروں میں تسلسل اور اہتمام کے ساتھ طویل عرصے سے ملت اسلامیہ کی بروقت اور مناسب رہنمائی کرنے والے ماہنامہ ''الفرقان'' کا خاص نمبر بعنوان ''ملک کا نیا منظر نامہ اور مسلمانانِ ہند کی حکمت عملی'' اس وجہ سے ممتاز ہے کہ اس میں ملک کے صف اول کے علماء وقائدین نے اپنے اپنے طور پر گہرے علم اور لانبے تجربات کی روشنی میں مسلمانانِ ہند کے لئے لائحۂ عمل پیش کیا ہے، اور اسلئے بھی کہ یہ خاص نمبر اس وقت سامنے آیا ہے جب کہ اقتدار پانے والی بی جے پی کا اصل چہرہ سامنے آچکا ہے۔ الفرقان کا خاص نمبر ۲۱ر مضامین اور ۲۱۶ر صفحات پر مشتمل ہے۔ اس ضخیم نمبر کا مطالعہ عدیم الفرصتی کی وجہ سے ہر شخص کے لئے ممکن نہیں اسلئے ضرورت محسوس ہوئی کہ تمام مضامین کی مشترکہ باتیں اور موجودہ حالات میں انجام دیئے جانے والے اہم اور ضروری کاموں کا ایک خاکہ پیش کر دیا جائے، تاکہ انہیں رہنما خطوط بنا کر ملت اسلامیہ کے مختلف طبقات اپنے اپنے طور پر محنت وکوشش میں لگ جائیں اور بدلے ہوئے حالات میں اپنی دینی وایمانی ذمہ داری انجام دیں۔ راقم الحروف نے اپنی سمجھ کے مطابق ۷۱ر اہم کاموں پر مشتمل یہ خاکہ تیار کیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ اہم مضامین کے چند اقتباسات ذیلی سرخیوں کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

تنظیم

کسی بھی کام کی تکمیل کے لئے دو چیزیں ضروری ہوتی ہیں، منصوبہ بندی اور تنظیم۔ بڑے سے بڑا کام

زیادہ سے زیادہ وسائل کے باوجود منصوبہ بندی اور تنظیم ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک کی کمی کے بغیر ادھورا رہ جاتا ہے۔ وطن عزیز میں مسلمانوں کی تعداد بھی قابل لحاظ ہے، ان کے پاس سرمایہ بھی وافر مقدار میں ہے، اسباب و وسائل کی فراوانی بھی ہے، مگر تنظیم کا دور دور تک نام ونشان نہیں، جس کی وجہ سے صلاحیتیں بکھر رہی ہیں، وسائل کا ضیاع ہو رہا ہے اور ذہنی، فکری، عملی قوت پر جمود طاری ہوتا جا رہا ہے۔ **حضور اکرم ﷺ نے ایک طرف دین کی دعوت کا فرض انجام دیا، دوسری طرف ایمان لانے والوں کی تربیت اور تنظیم کی ذمہ داری نبھائی اور ایک ایسی منظم جماعت انسانیت کی فلاح و بہبود اور دین کی نشر واشاعت کے لئے تیار کی جس کا ہر فرد متعین مقاصد کے لئے صحیح نہج پر مخلصانہ اور مسلسل محنت کرنے کا عادی تھا۔ یہی وہ تربیت یافتہ اور منظم جماعت تھی جس نے اسلام کا پیغام یورپ کے کلیساؤں اور افریقہ کے صحراؤں تک پہنچادیا، حضور اکرم ﷺ کے اس ''نمونے'' کو چھوڑ دینے کی وجہ سے مسلمانوں کا غیر معمولی نقصان ہوا اور ہو رہا ہے، یہ بھی سچائی ہے کہ ''ہمارا سرمایہ'' غیروں نے اپنالیا اور ترقی کے مراحل و منازل طے کرنے لگے**، ملک کے معروف عالم دین اور خطیب مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی مدظلہ نے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے:

''آپ حضرات سے یہ حقیقت ہرگز مخفی نہیں ہوگی کہ ہمارے حریف ہوں یا حلیف، دونوں گروہ محلے، گاؤں، شہر، ضلع، ریاست اور ملک گیر سطح پر کارکنوں کی تربیت کا ایک منظم کام کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں ایک پرجوش اور سراپا عمل کیڈر تیار ہوتا ہے۔ اور جس کے پاس سب سے زیادہ محنتی اور ڈسپلنڈ کیڈر ہوتا ہے وہی مختلف میدانوں میں ہونے والے مقابلے میں آگے رہتا ہے۔ اس کے بالکل برعکس ہمارا طرز عمل بالکل مختلف ہے۔ ہم جلسے جلوس تو بہت کرتے ہیں کبھی کبھی بہت بڑی تعداد میں لوگوں کی بھیڑ بھی اکٹھا کر لیتے ہیں، لیکن ملی مسائل کے لئے کارکنوں کی تربیت اور کیڈر بنانے کے کام میں ہم بہت پیچھے بلکہ بالکل صفر ہیں۔ بر سبیل تذکرہ عرض ہے کہ ایک طویل ملاقات میں جس میں اس عاجز کے ساتھ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر اور ملی کونسل کے سینئر رکن ڈاکٹر سید کلب صادق بھی موجود تھے، مشہور لیڈر مسٹر کاشی رام نے کہا تھا کہ

''آپ لوگوں کو تقریر کرنے کا جو فن آتا ہے، اگر ہمیں آتا ہوتا تو اب تک ہم بھارت کا نقشہ بدل چکے ہوتے، مگر میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی تقریروں کا کوئی ٹھوس نتیجہ نہیں نکلتا۔ ہم تو اگر کسی گاؤں میں گرام پنچایت کی زمین پر گاؤں والوں کو اکٹھا کر کے آدھے گھنٹے کا بھی بھاشن دیتے ہیں تو گاؤں میں اپنا سنگٹھن بنائے بغیر آگے نہیں بڑھتے۔'' ہمیں سوچنا چاہئے کہ اپنے موجودہ طرز عمل کے باقی رہتے

ہوئے ہم منظم گروہوں پر کیسے غالب آسکتے ہیں؟''

تعلیم

ذہنوں کی تعمیر اور افکار ونظریات کی تشکیل کا بنیادی ذریعہ تعلیم ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ چھ سو برس کے آسمانی وحی کے انقطاع کے بعد جب پہلی مرتبہ قرآن پاک کی آیتیں ان لوگوں کے درمیان نازل کی گئیں جو مختلف مہلک روحانی بیماریوں اور سنگین گناہوں میں مبتلا تھے تو کسی برائی پر نکیر، یا نماز، روزے کی تلقین کی بجائے حصول علم کی طرف توجہ دلائی گئی اور سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں اتاری گئیں۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵ (العلق: ۳) (پڑھیے اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا انسان کو خون کے لوتھڑے سے، پڑھیے اور آپ کا پروردگار سب سے بڑھ کر کریم ہے جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ تعلیم دی، انسان کو سکھایا وہ سب کچھ جو وہ نہیں جانتا تھا) ان آیتوں میں یہ اشارہ دے دیا گیا کہ برائیوں کی بنیاد جہالت ہے اور خامیوں اور کمزوریوں کی اصلاح کا بنیادی ذریعہ تعلیم، اور تعلیم بھی وہ جو پاک پروردگار کے نام کے ساتھ جڑی ہوئی ہو، مسلمان جہاں کہیں رہیں علم کی دولت کو سینے سے لگائے رکھیں اور اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کا بھرپور اہتمام کریں، یہ ذمہ داری اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب کہ وہ کسی ایسے خطے میں آباد ہوں جہاں کوئی دوسرا متوازی نظام تعلیم بھی موجود ہو۔ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے برسہا برس پہلے ملک کے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

> ایک ایسے ملک میں بھی جہاں کوئی متوازی اور جارحانہ نظام تعلیم موجود نہ ہو، جہاں بچوں کی سادہ تختی پر اسلامی تعلیم کے نقوش ثبت کرنے کی پوری سہولت اور گنجائش ہو یہ مسئلہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے، مسلمان اپنے بچوں کو دینی تعلیم کا انتظام اور اپنی آئندہ نسلوں کے اسلام پر قائم رکھنے کا اطمینان حاصل کرنے کے ذمہ دار ہیں اور ان کو ایک دن کی تاخیر اور ایک لمحہ کے التواء کے بغیر وہ تمام تدبیریں اور وسائل اختیار کرنے چاہئیں جو اس مقصد کے حصول کے لئے مفید اور ضروری ہوں۔
>
> ''لیکن اس ملک میں ان کی ذمہ داری دوہری اور نہایت شدید ہوجاتی ہے جہاں لازمی طور پر کوئی ایسا نظام تعلیم ونصاب تعلیم جاری ہو جو اسلام کے بالمقابل عقائد کی تعلیم دیتا ہو اور جس کے مضامین اور مندرجات توحید ورسالت کے بنیادی عقائد کے منافی اور شرک وگمراہی کے علانیہ داعی اور مبلغ ہوں، جہاں مسلمان بچے بھی کسی دوسری مذہبی قوم کی دیومالا

(Mythology) پڑھنے پر مجبور ہوں جس کا یقین کرنے سے کوئی مسلمان تاویل وتکلف کے ساتھ بھی مسلمان نہیں رہ سکتا، جہاں مسلمانوں کی اس محبوب شخصیت کا جس کی محبت وتعظیم مسلمانوں کا ایمان ہے تذکرہ وتعارف ایسے نازیبا اور خلاف واقعہ انداز میں کیا جائے جس کا پڑھنا مسلمانوں کے لئے سب سے بڑی روحانی اذیت اور ایمانی خطرہ ہے، جہاں قوموں کی تاریخی شخصیتوں کو ایسے حقیر وداغ دار طریقہ پر پیش کیا جائے کہ مسلمان بچوں میں حقارت اور اپنے ماضی سے نفرت پیدا ہو، جہاں مسلمانوں کو جو اس ملک کے برابر کے شہری اور ہندوستانی جمہوریہ کا ایک ضروری عنصر ہیں، ان الفاظ سے یاد کیا جائے جو نیچ ذات اور ملیچھ اقوام کے لئے بولے جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں مسلمانوں پر دو ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں، ایک اس نامناسب صورتحال کی اصلاح وتبدیلی کی کوشش۔ دوسرے اس کے مضر اثرات سے حفاظت کا سامان، اور خواہ وہ قائم رہے یا دور ہوجائے دونوں حالتوں میں مسلمان بچوں کی اسلامی تعلیم کا مستقل بندوبست۔''

ہندوستانی مسلمانوں کے لئے اس وقت سب سے بڑا مسئلہ عصری تعلیم گاہوں میں پڑھنے والے مسلمان بچوں کو دین وایمان پر قائم رکھنے کا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر ان مسلمان بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف اب بھی توجہ نہ دی گئی تو آہستہ آہستہ یہ نسل ذہنی ارتداد کی راہ پر چلی جائے گی۔ شیخ طریقت حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی مدظلہ کی صدائے دردمندانہ ملاحظہ ہو:

''مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ مسلمان رہتے ہوئے تعلیم یافتہ ہونا ہے۔ نئی نسل جو مدرسہ کی گزرگاہ کو چھوڑ کر دوسرے تعلیمی اداروں میں جارہی ہے، انہیں دین کی بنیادی باتوں کا بھی علم نہیں ہوتا۔ میرے پاس ایسے پڑھے لکھے نوجوان آتے رہتے ہیں جو استغفار، درود شریف اور نماز پڑھنے کے طریقے سے بھی واقف نہیں ہوتے، آپ اسے کمی سمجھیں یا نہ سمجھیں، مگر یہ حقیقت ہے کہ آر ایس ایس جہاں ہمیں پچاس سال میں نہیں پہنچا سکتا وہاں ہم پچیس سال میں پہنچ رہے ہیں اس ملک میں ہمارا یہ مسئلہ نہیں ہے کہ تعلیم یافتہ ہوں اصل مسئلہ یہ ہے کہ امت بحیثیت مسلمان تعلیم یافتہ ہو۔ ہم میں سے ہر ذمہ دار حساس فرد کو اس نکتہ کو ذہن میں رکھنا چاہئے۔۔۔۔ ہمارا دین علم حاصل کرنے کی بھرپور ہمت افزائی کرتا ہے، ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ہمارا علم ہمیں دینداری سے دور تو نہیں کررہا ہے۔ آج مسلمان اپنی صلاحیت سے زیادہ شادیوں پر خرچ کرتے ہیں، مکان کی تعمیر پر ہمارا متوسط اور اس سے اوپر کا طبقہ زیادہ خرچ کرتا ہے، اس تناسب سے تعلیم پر بہت کم خرچ کیا جارہا ہے۔ پیسے کی ہوس زیادہ ہے، علم کا ذوق وشوق کم ہے، یہ خطرناک رجحان ہے۔

مسلمانوں کو اپنی سوچ اور ترجیح میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔''

اسی کے ساتھ ساتھ عصری تعلیمی میدان میں امتیاز وتفوق پیدا کرنے کی بھی سخت ضرورت ہے، پروفیسر محسن عثمانی ندوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''ان بدلے ہوئے حالات میں دین پر استقامت اور ثابت قدمی اور حسن عمل اور حسن کردار کے ساتھ اور برادران وطن کی زبان و مذہب سے واقفیت کے علاوہ جو ایک اور اہم چیز مسلمانوں سے مطلوب ہے وہ تعلیم اور ہنرمندی کے میدان میں ان کا دوسروں سے ممتاز اور ممیز ہونا ہے۔ سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق مسلمان دلتوں سے بھی پسماندہ ہیں، اور جو کبھی شاہ زمن اور خسروئے اقلیم وطن تھے وہ جاروب کشوں کے درجہ تک پہنچ گئے ہیں، اس چیلنج کو خود مسلمانوں کو قبول کرنا ہوگا، ان کی مدد کے لئے حکومت پہلے بھی کچھ نہیں کرسکی اور اب نئی حکومت تو اور بھی کچھ نہیں کرسکے گی، بلکہ شاید راستہ میں روڑے اٹکائے گی، کیونکہ مسلم دشمنی اس کے ضمیر اور خمیر میں داخل ہے، اب یہ کام خود مسلمانوں کو انجام دینا ہوگا، مسلمانوں کو اس کے لئے تیار ہونا ہوگا کہ وہ روکھی سوکھی روٹی کھائیں گے لیکن اپنی اولاد کی تعلیم سے غافل نہیں ہوں گے اور تعلیم میں ممتاز ہونے کے لئے وہ دوسروں سے زیادہ اور دوگنی محنت کریں گے، آٹھ اور دس گھنٹے پڑھیں گے اور اپنا امتیاز ثابت کریں گے، عام طور پر تعصب وہیں کام کرتا ہے جب مقابلہ برابر کا ہوتا ہے، لیکن جب کوئی شخص عام اور متوسط سطح سے بہت بلند ہوجاتا ہے تو پھر لوگ اس کی صلاحیت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم بھی ایک ڈھال ہے جس سے وہ سمجھ بوجھ پیدا ہوتی ہے کہ آدمی دشمن کا مقابلہ کرسکتا ہے۔''

مذکورہ بالا کاموں کے لئے عالم ربانی حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا پیش کیا ہوا جامع تعلیمی خاکہ تمام مسلمانان ہند کے لئے رہنما خطوط کا درجہ رکھتا ہے۔ حضرت مرحوم نے اپنے ایک خطاب میں ارشاد فرمایا:

''ضرورت ہے کہ ہمارے ہر دینی مدرسہ کے ساتھ پرائمری درجہ کا ایک باقاعدہ مکتب ہو جس میں بنیادی دینی تعلیم کے ساتھ سرکاری معیار کے مطابق ان تمام مضامین کی تعلیم کا اچھا انتظام ہو جو لازمی ہیں، مثلاً ہندی، حساب، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ۔

دوسرے یہ کہ جو اسلامیہ کالج مسلمانوں کے انتظام میں چل رہے ہیں ان کے ساتھ بھی پرائمری درجہ کا ایک اچھا معیاری اسکول ہو۔

تیسرے یہ کہ جس طرح اب مسلمان دینی مدارس یا اسلامیہ اسکولوں کو اپنی ایک

قومی اور ملی ضرورت سمجھ کر ان کو قائم کرتے اور چلاتے رہے ہیں اسی طرح پرائمری درجہ کے اسلامی مکتب بھی اب حسب ضرورت محلہ اور گاؤں گاؤں قائم کئے جائیں جن میں دینیات اور قرآن مجید کی بنیادی تعلیم کے ساتھ ساتھ پرائمری درجات کی تعلیم کا معقول انتظام ہو، ہم نے سوچ سمجھ کر یہ بھی طے کیا ہے کہ ان مکاتب کو ہمیں سرکاری مداخلت سے بالکل آزاد رکھنا چاہئے اور ان کا بوجھ ہمیں خود اٹھانا چاہئے ۔ یہ بوجھ بلا شبہ بہت بڑا بوجھ ہوگا، لیکن ہم اگر ہندوستان کے موجودہ حالات میں ایسے بوجھ اٹھانے کے عادی نہیں بنیں گے اور انفرادیت اور آرام طلبی اور خوش عیشی و بے فکری کی وہ زندگی جس کے ہم صدیوں سے عادی بن گئے ہیں اسکو نہ چھوڑیں گے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم اس ملک کے اس نئے دور میں عزت کے ساتھ اور مسلمان رہ کر ہرگز زندہ نہ رہ سکیں گے، ہمیں محنتیں کر کے اور پیٹ کاٹ کر یہ مکاتب قائم کرنے ہوں گے اور ان کا بوجھ اٹھانا ہوگا، اللہ تعالیٰ کی مدد بھی ان ہی کو حاصل ہوتی ہے جو خود بھی اس کی راہ میں قربانی دیں، اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ ﴿محمد: ۷﴾ اپنے یہ مکاتب قائم کرنے کے ساتھ ہمیں ایک مہم بنا کر اس کے لئے بہت بڑی جدوجہد کرنی ہوگی، کہ مسلمان بچے ہمارے ان مکاتب ہی میں تعلیم حاصل کریں تاکہ ابتدائی پرائمری تعلیم کے ساتھ وہ بنیادی دینی تعلیم بھی حاصل کر سکیں اور سرکاری نصاب کے زہر اور سرکاری اسکولوں کے غیر اسلامی ماحول کے اثرات سے بھی ان کے معصوم دل و دماغ محفوظ رہیں۔

میں عرض کر رہا تھا کہ اس دینی تعلیمی مہم میں ہم کو چار کام کرنے ہیں تین کام میں بتا چکا ہوں اور چوتھا کام یہ ہے کہ ہماری ان کوششوں کے بعد بھی جو مسلمان بچے سرکاری اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے رہ جائیں ان کے لئے ہم محلہ کی مسجد میں یا کسی اور جگہ ایسے دینی تعلیمی حلقے قائم کریں جن میں صبح و شام کو صرف آدھا یا ایک گھنٹہ روزانہ ان بچوں کو قرآن مجید اور بنیادی دینیات کی تعلیم دی جا سکے۔''

داعیانہ کردار

امت مسلمہ، امت دعوت ہے۔ قرآن پاک میں اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا: قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ﴿یوسف﴾ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر الا فلیبلغ الشاھد الغائب کہہ کر اور بلغوا عنی و لو آیۃ ارشاد فرما کر پوری امت کو دعوت و تبلیغ کا ذمہ دار بنایا، صحابہ اور تابعین نے اس فریضہ کی طرف جتنی اور جس طور پر توجہ دی اس کے نتیجے میں اسلام اقصائے

عالم تک پھیل گیا، مسلمانان ہند نے اگر اس جانب بھرپور توجہ دی ہوتی تو اس وقت ہندوستان مرکز اسلام ہوتا لیکن افسوس کہ دعوت کے اس فریضے کو نظر انداز کیا گیا جس کے خطرناک نتائج سامنے آئے، بدلے ہوئے حالات میں اگر ہمت وحکمت کے ساتھ داعیانہ کردار اپنایا جائے تو ملک کے منظر نامے کی تبدیلی میں یہ چیز موثر کردار ادا کرسکتی ہے ۔دعوت کے سلسلے میں موجودہ حالات کے پیش نظر یہ مشورہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ

'' یہاں اس سلسلے میں اتنی گزارش ہے کہ دینی دعوت کے لئے حکیمانہ اسلوب اختیار کیا جائے اور اسوۂ نبوی کو مشعل راہ بنایا جائے ۔حضور اکرم ﷺ کی دینی دعوت کا یہ پہلو بہت اہمیت کا حامل ہے کہ عمومی دعوت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے کفار ومشرکین کے بڑے بڑے سرداروں اور سرکردہ افراد پر خصوصی محنت کی ،حضور اکرم ﷺ کی دعا ''اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَحَدِ الْعُمَرَیْن' بہت کچھ سکھاتی ،سمجھاتی اور اسلوب دعوت کی وضاحت کرتی ہے ۔اسی طرح حضرت خالد ابن ولیدؓ کے سلسلے میں آپ کا یہ فرمان ''اگر خالد ہمارے پاس آئیں گے تو ہم انہیں اگلی صف ہی میں جگہ دیں گے'' اسلام کے بدترین دشمن ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کے لئے امان کی نشانی کے طور پر اپنی چادر اور پیغمبر کے قتل کی سازش رچنے والے صفوان ابن امیہ کے لئے اپنا عمامہ عنایت فرمانا اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں ۔سیرت نبوی کے یہ اہم واقعات بتاتے ہیں کہ مخصوص باصلاحیت، ذہین اور معاشرے پر اثر انداز ہونے والے افراد کو دین سے قریب کرنا دین اور ہدایت کی روشنی پھیلانے کا بنیادی ذریعہ ہے، وطن عزیز میں بھی اس طرف توجہ دی جائے اور دین کی دعوت کے سلسلے میں اس اسوۂ نبوی کو دلیل راہ بنایا جائے تو کامیابی کے روشن امکانات ہیں ۔''

اس سلسلے میں یہ بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ دین کی دعوت براہ راست پیش کرنے کے بجائے خدمت کی راہ سے دلوں کو فتح کیا جائے اور زبانی اسلام کے بجائے عملی اسلام ہمدردی وغمگساری ،اخوت و بھائی چارگی کی شکل میں پیش کیا جائے تو یہ راہ زیادہ محفوظ ،زیادہ متوازن ومعتدل اور زیادہ مستحکم ہوگی ۔عظیم عالم دین وشیخ طریقت مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی زید مجدھم کی یہ بات بھلائے نہیں بھولتی کہ ''اس ملک میں ہمارا سابقہ اس قوم سے ہے جس میں احسان شناسی کا عنصر دوسروں سے زیادہ ہے، یہ دودھ دینے والی گائے تک کو دیوتا اور معبود کا درجہ دیتے ہیں ، جہاں سے فائدہ ملے اور نفع ہو وہاں سر جھکا دیتے ہیں ،اگر خدمت کی راہ سے انہیں قریب کیا جائے تو انقلاب عظیم برپا

ہوسکتا ہے۔'' بڑے موقع سے اقبال مرحوم یاد آ گئے۔''

وہ نوائے عاشقی ہو کہ ادائے دلبرانہ
جو دلو ں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

خدمت خلق

قرآن پاک میں انسانوں کے مقصد تخلیق پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا گیا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿الذاریات: ۵۶﴾ (اور میں نے انسان اور جنات کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں) علماء نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کے احکام و اوامر کی تعمیل (۲) اللہ کی مخلوق سے محبت اور ان کی مخلصانہ خدمت۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں قسم کی عبادتوں کے جامع تھے اور آپ علیہ السلام نے خدمت کا وہ اونچا معیار قائم فرمایا جس کی کوئی دوسری مثال موجود نہیں ہے۔ اہل ایمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ انسانوں کی خدمت کا وہی مزاج اپنائیں جس کا نمونہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام نے پیش فرمایا ہے۔ ہمارے ملک میں خدمت خلق کے لئے وسیع میدان ہے اور ان کاموں کے بہتر نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب مدظلہ خدمت خلق کے چند کاموں کی طرف متوجہ فرمارہے ہیں:

''بہت سے کام زمینی سطح کے ہیں، جنہیں سماجی سطح پر کرنا چاہئے، ان سے اجتماعی طاقت اور سیاسی ساکھ بن سکتی ہے، مثلاً ووٹر لسٹ، ووٹر آئی ڈی کارڈ، آدھار کارڈ، راشن کارڈ، انتودے، اسمارٹ کارڈ وغیرہ بنوانے میں مدد کرنا اور ان کے ذریعہ عوام کو آسانی پہونچانا، صحت کی سرکاری اسکیموں سے عوام کو فائدہ پہونچانا، دیہی علاقوں کے لوگوں کو سرکاری اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کی تعلیم وتربیت، حکومت کی اسکیموں کے نفاذ کی نگرانی جیسے کام ہیں، اور ان کے دوررس اثرات ہوسکتے ہیں۔''

اصلاح امت

مسلمانوں میں جو اخلاقی اور معاشرتی بگاڑ آچکا ہے اور جس کی وجہ سے ان کا وقار و اعتبار کم سے کم تر ہوتا جارہا ہے اس کی اصلاح، اور شریعت وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کا مزاج پیدا کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، اس کے لئے مختلف سطح پر ملت کے مختلف طبقات کو محنت کرنی ہوگی، خاص طور پر علمائے کرام کے کاندھوں پر یہ ذمہ داری ہے کہ بحیثیت وارثین انبیاء وہ اصلاح امت کا فریضہ انجام دیں اور نہ صرف تحریر وتقریر بلکہ اپنے اونچے اخلاق و کردار کے ذریعے بھی اس پیغام کو عام کریں۔ عظیم عالم ربانی حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے ملک کی تقسیم کے معاً بعد اپنے ایک

تفصیلی مضمون میں بڑے درد کے ساتھ تحریر فرمایا تھا:

اس کام کا (یعنی احیاء دین واصلاح امت کی جدوجہد کا) سب سے بڑا حق حضرات علماء پر ہے، دین کی امانت کے وہی امین اور وہی وارث انبیاء ہیں اس لئے ان پر حق ہے کہ اپنی توجہات عالیہ زیادہ سے زیادہ اس کام کی طرف لگائیں اس وقت کے خاص حالات میں بھی یہ کام زیادہ اہم اور سب سے مقدم ہے اور اس کے سوا دینی کاموں کے جو سلسلے ہیں مستقبل میں ان کی بقاء بھی اسی پر موقوف اور منحصر ہے۔ حالات کی رفتار اور وقت کی نزاکت سے جو حضرات واقف ہیں انہیں خود محسوس ہوگا کہ اس وقت دین کی پکار اور دین کا خاص مطالبہ ان سے یہی ہے۔ نیز علماء ربانی کی رہنمائی اور پیشروی کے بغیر یہ دینی مہم انجام بھی نہیں پاسکتی۔ لیکن علماء سے یہاں ہماری مراد صرف وہی ہیں جنہوں نے اپنے کو اور اپنی صلاحیتوں کو عام اہل دنیا کی طرح ذاتی اغراض اور حرص مال وجاہ کے حوالے نہیں کردیا ہے۔ ورنہ وہ دنیا طلب علماء جن کے قلوب تقوی سے اور حضور ﷺ کی لائی ہوئی فکروں سے خالی ہیں ان کا وجود تو دین کے لئے ایک مستقل مصیبت ہے۔ یہ لوگ جب اپنی اغراض اور اپنی سوچی ہوئی مصلحتوں کی خاطر کسی برائی کو اختیار کرنا چاہتے ہیں تو اس کو نیکی بناڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس لئے دینی حقیقتوں میں تحریف کا باعث اکثر یہی لوگ بنتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ جابجا اپنے مکتوبات میں جلے دل سے لکھتے ہیں کہ ''قرن سابق (اکبری دور) میں جو تحریفات وتلبیسات دین میں کی گئیں اور اسلام کو مسخ کرنے کی جو کوششیں ہوئیں ان کی بڑی ذمہ داری دنیادار اور مال وجاہ کے پرستار عالموں پر ہی ہے۔'' اس لئے حدیث نبوی میں ہے **الا ان خیر الخیر خیار العلماء وشر الشر شرار العلماء۔**

نئے دوستوں کی تلاش

ملک کے عظیم قائد ورہنما حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی مدظلہ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بڑی اہم بات ارشاد فرمائی:

''فکرمند حضرات کو نئے سیاسی دوست تلاش کرنے کی ضرورت ہے، ہم نے اب تک سیاست میں دوست مان کر آقاؤں کو تلاش کیا ہے، جب تک مسلمان منظم ہوکر دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی سطح پر نہ آجائیں کوئی دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھائے گا، اس لیے پہلے اپنی اور

اپنوں کی تفہیم، پھر تنظیم، پھر دوست کی تلاش مناسب ہے، مسلمانوں کے مزاج کی مجبوری یہ ہے کہ ہمارا ہر سیاسی لیڈر مایاوتی بننے کو تیار ہے، مگر کانسی رام کی محنت کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں! نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے دست وبازو پر اعتماد کرکے ایم ایل اے بھی نہیں بن پاتا۔ (سوائے آسام اور حیدرآباد کے)''

ہمارے نئے سیاسی دوست کون ہوسکتے ہیں اور ان کے ذریعے ہم کس طرح ترقی اور عروج کی راہ پر قدم آگے بڑھا سکتے ہیں اس پر حضرت مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی صاحب روشنی ڈالتے ہیں:

''ہمیں اس حقیقت کو بھی سمجھنا ہوگا کہ یہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ زیادہ تر فسادات میں پسماندہ اقوام ہی کے لوگوں کو ہمارے خلاف اکسا کر میدان میں اتارا جاتا ہے۔ اور زیادہ تر مار دھاڑ، آتش زنی اور قتل وغارت گری کی وارداتیں انہیں سے کروائی جاتی ہیں تو اس کا ایک اہم مقصد ان کو ''ہندو'' بنائے رکھنا ہوتا ہے ۔۔۔۔۔ ہمارے سیاسی وملی قائدین کو ان پسماندہ طبقوں میں ان لوگوں کو تلاش کرنا ہوگا جو ان حقائق سے واقف ہیں اور اپنی قوموں میں بیداری پیدا کرنے کا کام کررہے ہیں اور ان کے ساتھ اشتراک عمل کی راہیں تلاش کرنی ہوں گی۔ اور سیرت طیبہ کے واقعات کو پیش نظر رکھ کر نہایت محتاط رہتے ہوئے اور اپنے ملک کی سماجی حقیقتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں ملک کے مختلف ''قبائل'' میں اپنے ''حلیف'' تلاش کرنے ہوں گے۔''

اتحاد فکر وعمل

مذکورہ بالا کاموں کی انجام دہی کے لئے اخلاص واستقامت کے علاوہ امت کے مختلف طبقات میں اتحاد فکر وعمل کی بھی سخت ضرورت ہے، اس میں کوئی دورائے نہیں ہوسکتی کہ مسلمانوں کے داخلی انتشار نے انہیں جس قدر نقصان پہنچایا ہے اتنا نقصان ان کے کسی بڑے سے بڑے دشمن نے بھی انہیں نہیں پہنچایا ہے اور آج بھی ہماری بے وزنی کی بنیادی وجہ آپس کا اختلاف، انتشار، باہمی حسد ورقابت، اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی بری عادت ہے۔ مسلمانان ہند کو ''اپنی ڈفلی، اپنا راگ'' کا مزاج ختم کرکے ''کونوا عباداللہ اخوانا'' والے نسخۂ نبوی پر عمل کا مزاج بنانا چاہئے۔ مشہور عالم دین مولانا اسرار الحق قاسمی تحریر فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کو موجودہ حالات کی نزاکت کا ادراک کرتے ہوئے اپنے نقصانات کی تلافی کرنے کے بارے میں سوچنا چاہئے، آپس میں وجہ افتراق تلاش کرنے کے بجائے نقطۂ اتحاد تلاش کرنے پر اپنی توجہات مرتکز کرنی چاہئے، آج دنیا بھر کی تمام قومیں محض اپنے اپنے مفادات کی خاطر باہم

متحد اور شیر و شکر ہو رہی ہیں، مگر مسلمان ہیں کہ ان کی کتاب، ان کا نبی اور ان کا خدا سب ایک ہیں مگر اس کے باوجود وہ خود اپنے ملی مسائل میں بھی اتحاد کا ثبوت نہیں دیتے، حالانکہ اس نا اتفاقی و ناچاقی کے اندوہناک نتائج سے بھی انہیں ہی دوچار ہونا پڑتا ہے''

پروفیسر محسن عثمانی ندوی صاحب لکھتے ہیں:

''ہمیں ہر حال میں اتحاد و اتفاق کا ثبوت دینا ہے اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر رہنا ہے۔ اتحاد کا حکم ایک منصوص حکم ہے اور ہر حال میں اس پر عمل واجب ہے۔ خاص طور پر اس وقت جو حالات ہیں وہ ایمرجنسی کے حالات ہیں، اگر اس وقت بھی مسلمانوں میں مسلکی تحزب اور تعصب پایا گیا تو پھر گویا ان کی داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔ یعنی ان کا خاتمہ یقینی ہے۔ مسلمان علماء اور قائدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اتحاد کو یقینی بنائیں، علمی اختلاف ہمیشہ ممکن ہے، لیکن اس اختلاف کو مخالفت میں ہرگز تبدیل نہ ہونے دیں۔ اتحاد مسلمانوں کا بہت اہم محاذ ہے۔ اور اب اس میں رخنہ اندازی کی کوئی گنجائش نہیں'' ؎

ایسے محل پہ دوستو رخنہ گری ہے خود کشی
ہم بھی اسی جہاز میں تم بھی اسی جہاز میں

ان ۷/ اہم اور ضروری کاموں کے علاوہ مندرجہ ذیل مشورے اور تجاویز بھی موجودہ حالات میں اہمیت کے حامل ہیں، ان کی طرف توجہ دینا بھی ضروری ہے۔

☆☆☆